بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ التفاسیر

قرآنِ مبین مترجم

۷ (7)

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹۔ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۲۵۴)

www.drhasanrizvi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے واسطے

آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ القمر ۱۷

قرآنِ مُبین مترجم

۷

پارہ وَاِذَا سَمِعُوا

مع آسان اردو ترجمہ و تشریحات

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشران:-

پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ

۲۷۹ بریٹو روڈ کراچی۔ فون ۲۳۲۳۷۵۴

www.drhasanrizvi.org

فہرست پارۂ ۷

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ
۱۔	حضرت جعفر طیارؓ کی حالتِ خوف میں بحکمِ رسولؐ مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت۔	۷۷۵
۲۔	نیک عمل کیے بغیر کسی شخص کا شمار صالحین بندوں میں نہیں ہو سکتا	۷۷۷
۳۔	مومنِ فاسق ہمیشہ جہنّم میں نہیں رہے گا	۷۷۸
۴۔	احکامِ خدا اور سُنّتِ رسولؐ کے خلاف خود پسند شریعت اور رہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔	۷۷۹
۵۔	قسموں کا کفّارہ ادا کرو۔	۷۸۲
۶۔	شیطانی کاموں کی ممانعت	۷۸۴
۷۔	شیطان کی تو بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ تم کو ذکرِ خدا اور نماز سے روک دے۔	۷۸۵
۸۔	اطاعتِ رسولؐ کے حکم میں آلِ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے۔	۷۸۷
۹۔	حُرمت آنے سے قبل جو کچھ کھا پی لیا اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔	۷۸۸
۱۰۔	احسان اور تقوٰے کی مختصر تشریح	۷۸۹
۱۱۔	صلحِ حدیبیہ کے موقعے پر امتحان	۷۹۰
۱۲۔	حالتِ احرام میں شکار مارنے پر نذر یا کفّارہ	۷۹۱
۱۳۔	سمندر کا شکار حلال قرار دیا گیا ہے۔	۷۹۳
۱۴۔	اللہ تعالٰی نے کعبۂ محترم کو لوگوں کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے۔	۷۹۴

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ
۱۵۔	ایمان دو برابر حصّوں میں منقسم ہے۔	۷۹۶
۱۶۔	ناپاک و حرام چیز کثرت و خوبصورتی کے باوجود پاکیزہ و حلال چیز سے بہتر نہیں ہو سکتی۔	۷۹۷
۱۷۔	ایک ہی سوال کے بارے میں بار بار جرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔	۷۹۹
۱۸۔	دینی معاملات میں آباء و اجداد کی تقلید کا حوالہ دینا کُفّار کا طریقہ تھا۔	۸۰۳
۱۹۔	اپنے کردار کی درستی میں لگے رہو۔	۸۰۴
۲۰۔	موت کے وقت وصیّت پر دو عادلوں کی گواہی کا حکم	۸۰۵
۲۱۔	انبیاء سے پوچھا جائے گا۔	۸۰۸
۲۲۔	ضرورتِ معجزہ	۸۱۰
۲۳۔	حواریوں کی خواہش پر مائدہ کا نزول، اور انجام	۸۱۱
۲۴۔	عیسائیوں کی ناشکری پر قہرِ خداوندی	۸۱۳
۲۵۔	فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (کی تشریح)	۸۱۵
۲۶۔	جس دن سچّوں کو اُن کی سچّائی فائدہ پہنچائے گی	۸۱۶
	(سورۃ الانعام)	
۲۷۔	اس آیت میں تین قسم کے لوگوں کی تردید ہے۔	۸۱۸
۲۸۔	مقررہ وقت	۸۲۱
۲۹۔	نہ ماننے کے لاکھ بہانے۔	۸۲۲

www.drhasanrizvi.org

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ
۳۰	انبیاء کو لباسِ بشری میں بھیجنا بھی مصلحتِ الٰہی ہے۔	۸۲۳
۳۱	انبیاء کا مذاق اڑانا بدترین صفت ہے۔	۸۲۴
۳۲	اللہ نے رحمت کو اپنے لیے لازم کرلیا ہے۔	۸۲۵
۳۳	اللہ نے اپنی ہمہ گیری کا اعلان فرمایا ہے۔	۸۲۶
۳۴	آنحضرتؐ اوّلِ مخلوق اور مسلمِ اوّل ہیں۔	۸۲۸
۳۵	صرف اللہ پر اعتماد کرنا معرفت اور حقیقتِ توحید ہے۔	۸۳۱
۳۶	اللہ اپنی مکمل حاکمیت کا اعلان فرما رہا ہے۔	۸۳۲
۳۷	مَنْ بَلَغَ سے اوّلین مراد ائمہؑ اہلبیت ہیں۔	۸۳۳
۳۸	یہودی اور عیسائی آنحضرتؐ کو رسولِ خدا کی حیثیت سے پہچاننے کے باوجود منکر ہو گئے۔	۸۳۵
۳۹	اللہ پر تہمت لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔	۸۳۶
۴۰	وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ولائے علیؑ میں شرک نہ کرتے تھے	۸۳۷
۴۱	صرف خدا کو ماننا ان کو فائدہ نہ دے گا۔	۸۳۹
۴۲	اللہ نے ہر چیز کو اُس کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔	۸۴۰
۴۳	اِس آیت کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں۔	۸۴۲
۴۴	آخرت کو جھٹلانے پر کمالِ ندامت	۸۴۵
۴۵	حیاتِ دنیا مثل کھیل تماشے کے ناپائیدار اور عارضی ہے۔	۸۴۷
۴۶	رسولِ خداؐ کی تکذیب گویا خدا کی تکذیب ہے۔	۸۴۸
۴۷	"ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"	۸۴۹
۴۸	آنحضرتؐ کو خواہشِ توبہ تھی	۸۵۰
۴۹	بے بصیرت (مردہ دل) لوگ ایمان نہیں لاتے۔	۸۵۱
۵۰	ایمان نہ لانے کا یہ بھی اک بہانہ تراشا ہے	۸۵۲
۵۱	روزِ جزا جانور اور پرندے بھی محشور ہوں گے	۸۵۳
۵۲	خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں ہوتا۔	۸۵۵
۵۳	پھر تم مصیبت کے وقت اللہ کو کیوں پکارتے ہو۔؟	۸۵۶
۵۴	مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔	۸۵۷
۵۵	بیماری و تکالیف دینے سے خدا کا مقصد؟	۸۵۸
۵۶	حضرت امیر المومنینؑ کا حکمت آموز کلام	۸۵۹
۵۷	جب اُنھوں نے امیر المومنینؑ کی ولایت کو چھوڑ دیا۔	۸۶۰
۵۸	دشمنانِ خدا پر خدا کا عذاب بھی نعمت ہے۔	۸۶۱
۵۹	اللہ تو بہر حال ہدایت کرتا رہا ہے	۸۶۲
۶۰	قرآن کی رواداری اور کلام کا ادب۔	۸۶۳
۶۱	بداعمالیوں پر افسوس اور ندامت فاسقوں فاجروں اور ظالموں کا حصّہ ہے۔	۸۶۴
۶۲	"رسول" وحیِ الٰہی کا تابع اور از خود پوشیدہ اُمور پر مطلع نہیں ہوتا۔	۸۶۵
۶۳	ڈرنے والے لوگوں کو نافرمانی سے بچانے کا حکم	۸۶۷
۶۴	اصحابِ صُفّہ کے بارے میں	۸۶۸
۶۵	اللہ کی نظر میں ایمان کی قدر ہے، دولت کی نہیں۔	۸۶۹
۶۶	قرآن کی رُو سے سلام کرنے کا طریقہ اور توبہ کی اہمیت۔	۸۷۰
۶۷	خدا کی نشانیاں نبیؐ یا امامؑ ہوتے ہیں۔	۸۷۱
۶۸	عذاب لانا، یا، معجزہ دکھانا سب خدا کے اختیار میں ہے۔	۸۷۲
۶۹	میرے بعد ظالم میرے اہلِ بیتؑ پر ظلم کریں گے	۸۷۳

www.drhasanrizvi.org

نمبر	ذیلی عناوین	صفحہ
۷۰	حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:	۸۷۴
۷۱	اللہ، لوگوں کو نیند کے عالم میں اُٹھا لیتا ہے	۸۷۶
۷۲	ہمارے نگراں فرشتوں کی ذمے داریاں ؟	۸۷۷
۷۳	روزِ قیامت پلک جھپکتے حساب ہو جائے گا۔	۸۷۸
۷۴	دُعا قبول کرنے والا کس انداز کو پسند کرتا ہے ؟	۸۷۹
۷۵	جس کا کھاؤ اُسی کے گُن گاؤ۔ نمک حرامی نہ کرو۔	۸۸۰
۷۶	اللہ ہر قسم کا عذاب لانے پر قادر ہے۔	۸۸۱
۷۷	میں تم پر ٹھیکیدار نہیں ہوں۔	۸۸۲
۷۸	ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جو ... ؟	۸۸۳
۷۹	نصیحت کرنا تو لازم ہے لیکن کسی کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔	۸۸۴
۸۰	دین کو کھیل تماشا بنانے والی اقوام ؟	۸۸۵
۸۱	راہِ ہدایت تو اللہ ہی کی رہنمائی سے حاصل ہو سکتی ہے	۸۸۷
۸۲	جب بحکمِ خدا صُور پھونکا جائے گا۔	۸۸۸
۸۳	حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام "تارُخ" تھا۔	۸۹۰
۸۴	چشمِ بصیرت رکھنے والوں کو ہی خدا اور اُس کا نظام سمجھ میں آسکتا ہے۔	۸۹۱
۸۵	حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ استدلال	۸۹۳
۸۶	حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور لاجواب استدلال	۸۹۴
۸۷	حضرت ابراہیمؑ پیغمبرِ خدا تھے اس لیے توحید پرست تھے۔	۸۹۶
۸۸	حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی اور جرأتِ کردار	۸۹۸
۸۹	حضرت ابراہیمؑ کی قوم منکرِ خدا نہ تھی، بلکہ ؟	۸۹۹

نمبر	ذیلی عناوین	صفحہ
۹۰	شرک سے بڑا کوئی ظلم نہیں، جو ناقابلِ معافی ہے۔	۹۰۰
۹۱	علمِ کلام کا شرف	۹۰۱
۹۲	اہم انبیاءؑ کا ذکر	۹۰۱
۹۳	اہلِ بیت کے اولادِ رسولؐ ہونے کا ثبوت۔	۹۰۳
۹۴	کتاب، حکم اور نبوّت کے معنی	۹۰۵
۹۵	انبیاء کی پیروی محفوظ ترین راہِ ہدایت ہے۔	۹۰۶
۹۶	اجرِ رسالت کا مقصد۔	۹۰۶
۹۷	خدا کی قدر نہ کرنے کا مطلب۔	۹۰۸
۹۸	خدا کا کلام بندوں پر نازل ہو سکتا ہے۔	۹۱۱
۹۹	قرآن کی صداقت پر چار دلائل	۹۱۱
۱۰۰	مکّہ کو اُمُّ القُریٰ کیوں کہتے ہیں۔ ؟	۹۱۲
۱۰۱	قرآن سے مذاق کرنے کا بدترین انجام	۹۱۳
۱۰۲	تم اپنی میّتوں (اپنے مُردوں) کو اچھا کفن دیا کرو۔ کیونکہ ... ؟	۹۱۵
۱۰۳	نشانیوں پر دعوتِ غور و فکر۔	۹۱۶
۱۰۴	شب و روز کا نظام، شمس و قمر کا حساب۔	۹۱۷
۱۰۵	صاحبانِ علم کے لیے نشانیاں ہیں۔	۹۱۸
۱۰۶	ٹھیرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام۔	۹۱۹
۱۰۷	ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھو، تاکہ ایمانِ کامل کے ساتھ موت واقع ہو۔	۹۲۰
۱۰۸	آیت کا پیغام ؟	۹۲۰
۱۰۹	پھلوں اور بادلوں کی تخلیق پر غور کرو۔	۹۲۱
۱۱۰	"جنّ" کے معنی اور آیت میں مراد ؟	۹۲۲

www.drhasanrizvi.org

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ	شمار	ذیلی عناوین	صفحہ
۱۱۱	خدا کو خیال کی آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں	۹۲۴	۱۱۶	کسی کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ تمہارے سچے خدا کو برا بھلا کہیں گے	۹۳۰
۱۱۲	خدا کا دیدار آخرت میں ۔ ۔ ۔ ؟	۹۲۴			
۱۱۳	رسولِ خدا ﷺ کا اصل کام ۔ ۔ ؟	۹۲۷	۱۱۷	ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔	۹۳۴
۱۱۴	قرآن کھرے کھوٹے انسان کی کسوٹی ہے۔	۹۲۸	۱۱۸	حق ناشناسی پر جمے رہے۔	۹۳۵
۱۱۵	رسولِ خدا ﷺ کی ذمّے داری کی حد ۔ ۔ ؟	۹۲۹	۱۱۹	طلبِ حق کی اہمیت ۔ ۔ ۔ ؟	۹۳۶

محمد اقبال ... ضیاء
ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف

میں نے پاک محترم ایجوکیشن ٹرسٹ
کا پارہ نمبر ۷ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے
میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی
کمی و بیشی نہیں ہے اور یہ اغلاط سے مبرا ہے

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی
منظور شدہ پروف ریڈر
گلشن اقبال بلاک 11 کراچی

www.drhasanrizvi.org

"وَاِذَا سَمِعُوا" پارہ ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳

(۸۳) اور جب وہ (قرآن کو) سُنتے ہیں جو رسولؐ پر اُتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔ یہ اس لیئے ہے کہ اُنھوں نے "حق کو" پہچان لیا ہے وہ پُکار اُٹھتے ہیں کہ: اے ہمارے پالنے والے! (مالک!) ہم ایمان لے آئے، تو ہمارا نام (حق کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

حضرت جعفر طیارؑ کی حالتِ خوف میں بحکمِ رسولؐ مکّہ سے حبشہ کی طرف ہجرت

آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب کفارِ مکّہ نے حضور اکرمؐ اور مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچائیں تو آپؐ نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ اِس حکم پر حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؑ کی سرکردگی میں ستّر مسلمان حبشہ روانہ ہوگئے اس قافلے میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعود اور عثمان بن مظعون جیسے بزرگ اصحاب کرام بھی شامل

www.drhasanrizvi.org

تھے۔ کفارِ مکہ نے عمرو عاص کی سرکردگی میں ایک وفد مسلمانوں کے تعاقب میں حبشہ بھیجا جس نے وہاں کے بادشاہ کو کفارِ مکہ کی طرف سے بڑے قیمتی تحفے پیش کیے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کیا جائے، اس لیے کہ وہ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ اور ہمارے مجرم ہیں۔

بادشاہِ حبشہ انصاف پسند آدمی تھا اس نے مسلمان مہاجرین کو بلا کر ان کا جرم دریافت کیا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے بڑی فصاحت و بلاغت اور پُرعزم خطابت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات پیش کیں۔ پھر جب بادشاہ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریمؑ تلاوت فرمائی۔ یہ آیات سن کر حبشہ کا نصرانی بادشاہ نجاشی بہت متاثر ہوا اور شدت سے رونے لگا اور بولا کہ "قرآن انجیل سے کس قدر مشابہ ہے اور یہ حقیقت پر مبنی ہے۔"

چنانچہ بادشاہ کے رونے اور اعترافِ حق کو خدا نے اتنا پسند فرمایا کہ اس کی تعریف میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (تفسیر صافی ص۱۴۴ بحوالہ تفسیر قمی، تفسیر کبیر، ابن ہشام)

نتیجہ : عارفین نے نتیجہ نکالا کہ رونا عارفین کی خصوصیت ہے۔

اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ آنسو چلنے لگتے ہیں۔ (قرطبی)

چھٹے امام نے فرمایا: خدا کو دو قطرے بہت پسند ہیں۔ (۱) وہ قطرہ جو رات میں خوفِ خدا کے سبب جاری ہو۔ اور (۲) دوسرا وہ خون کا قطرہ جو راہِ خدا میں بہایا جائے۔ (بحار الانوار جلد ۱ ص۱۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جو قطرہ خوفِ خدا سے جاری ہو اُس سے جہنم پناہ مانگتی ہے۔" (مفاتیح الجنان)

توریت میں ہے کہ: "سب لوگ شریعت کی باتیں سُن کر روتے تھے۔" (النحمیاہ ۸: ۹)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۸۴

(۸۴) آخر ہم اللہ پر کیوں نہ ایمان لائیں اور اُس حق بات کو کیوں نہ مانیں جو ہمارے پاس آئی ہے، جبکہ ہماری تو تمنّا ہی بس یہ ہے کہ ہمارا پالنے والا مالک ہمیں نیک لوگوں میں شامل کرے

نیک عمل کیے بغیر کسی شخص کا شمار صالحین بندوں میں نہیں ہو سکتا

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "مَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔" یعنی: "جسے عمل پیچھے چھوڑ دے اُسے نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔" (نہج البلاغہ ص ۹۳۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "آلِ محمدؐ کی محبّت پر اعتماد کر کے عملِ صالح اور عبادت میں سعی و کوشش کو نہ چھوڑو۔" (گفتارِ دلنشین ص ۱۹۳)

نتیجہ:۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ عمل کے بغیر صرف یہ بات چاہنا کہ: "ہم قیامت میں نیک لوگوں کے ساتھ اُٹھیں گے" کافی نہیں ہوتا۔ دنیا کا معمولی سے معمولی کام بھی فقط چاہنے سے نہیں ہوا کرتا۔ بھلا سب سے بڑی کامیابی فقط چاہنے اور بغیر عمل کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" "انسان کے لیے اِس کے سوا کچھ نہیں ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے۔"

www.drhasanrizvi.org

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ (۸۵) اللہ نے اُن کے اِسی قول (یعنی
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ حق کے قائل ہونے کی وجہ سے) اُن کو
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ (ایسے ایسے گھنے اور سرسبز) باغات عطا
الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ۸۵ کیے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور
وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اُجر ہوتا ہے نیک کام کرنے والوں (محسنین) کا۔

مومنِ فاسق ہمیشہ جہنّم میں نہیں رہے گا

نتیجہ:۔ علمِ کلام کے ماہرین نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ "مومنِ فاسق" ہمیشہ جہنّم میں نہیں رہے گا"۔ وہ سزا بھگت کر جہنّم سے نکل آئیگا۔
(تفسیر کبیر۔ امام فخرالدین رازی)

ثواب اور بدلہ صرف ان الفاظ کے کہنے پر دیا جارہا ہے جو پچھلی آیت ۸۴ میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ اِس لیے کہ اُن کے الفاظ خلوص پر مبنی ہیں۔ یہی معرفت ہے۔ جس کے لیے خدا خود فرماتا ہے کہ: "یہ اِس لیے کہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔" پھر اُن کا رونا، اُن کے سچّے خلوص کی دلیل ہے اور اُن کے ایمان اور معرفت کو ثابت کرتا ہے۔ ایمان جب خلوص اور معرفت کے ساتھ ہو تو اُسی پر ثواب کا وعدہ کیا جارہا ہے۔ (مجمع البیان)

بہرحال رونا معرفت کی دلیل ہے۔ اِس لیے حضرت امام حسین علیہ السّلام پر رونا بھی اہلِ بیت کی محبّت اور معرفت کی دلیل قرار پائے گا۔

www.drhasanrizvi.org

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا (۸۶) رہے وہ جنھوں نے ہماری نشانیوں کو ماننے
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۸۶ سے انکار کردیا اور انھیں جھٹلادیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں۔

ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا (۸۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جو اچھی
طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷ دل پسند چیزیں خدا نے تمھارے لیے حلال کی ہیں، اُنھیں (اپنے اوپر) حرام نہ کرلو اور حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ یقیناً خدا حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

احکامِ خدا اور سنّتِ رسولؐ کے خلاف، خود پسند شریعت اور رُہبانیت اسلام میں جائز نہیں

آیت ۸۷ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت اُن اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے یہ قسم کھائی کہ وہ رات کو سویا نہ کریں گے اور پوری رات عبادت میں بسر کریں گے۔ اور حضرت بلالؓ نے قسم کھائی کہ وہ ہر دن کو روزہ رکھا کریں گے، اور حضرت عثمان بن مظعون نے قسم کھائی کہ وہ کبھی اپنی بیوی کے ساتھ نہ سوئیں گے۔ ان کی بیوی جو بہت خوبصورت تھیں، حضرت عائشہ سے اس بات کی شکایت کی جس پر حضور اکرمؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص میری سنّت کو چھوڑ دے گا وہ مجھ سے نہیں ہے" پھر

www.drhasanrizvi.org

اُن لوگوں کو ایسی قسمیں کھانے سے منع فرمایا۔

صاحبِ تفسیر صافی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِس خطاب سے ان حضرات کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اِس لیے کہ اِسی قسم کا خطاب دوسرے موقعے پر خدا نے خود حضرت رسول ؐ سے بھی فرمایا ہے۔ کہ: "اے نبیؐ! تم نے اُن چیزوں کو کیوں حرام کر لیا ہے جو اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں۔" (تفسیر صافی ص۱۴۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی)

تعجب ہے کہ علامہ طبرسیؒ اور شیخ طوسیؒ جیسے عظیم بزرگوں نے یہاں حضرت علیؑ کا نام بھی شامل کر دیا۔ اور علی بن ابراہیمؒ نے ایک مرسل حدیث بھی لکھ دی لیکن حضرت علیؑ جیسا انسان جس نے آغوشِ رسالت میں تربیت پائی ہو، ایسی قسم کیسے کھا سکتے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس میں کوئی گہری مصلحت تھی یا پھر یقیناً کوئی اشتباہ ہوا ہے۔) (فصل الخطاب)

غرض اِس آیت میں دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بن جاؤ۔ حلال و حرام وہی ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ اگر تم اپنی مرضی سے حلال حرام مقرر کرو گے تو پھر خدا کی نہیں اپنے نفس کی اطاعت کرو گے۔ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، بودھ بھکشوؤں اور اشراقی صوفیاء نے رہبانیت اور قطعِ لذات کا طریقہ خود ایجاد کیا تھا وہ اپنی نیک نیتی کی بناء پر یہ سمجھے کہ اگر نفس اور جسم کے حقوق ادا کیے جائیں گے تو روحانی ترقی رُک جائے گی۔ اور وہ اِس غلط نتیجے پر پہنچے کہ اپنے آپ کو تکلیف دینے اور لذتوں سے محروم رہنے سے خدا کا قُرب حاصل کریں گے۔ حالانکہ یہ ساری نعمتیں تو خدا نے اپنے مومنین بندوں کے لیے خاص طور پر پیدا کی ہیں۔ اِس ذہنیت کے خلاف حضور اکرم ؐ نے ایک خطبہ ارشاد

www.drhasanrizvi.org

فرمایا: کہ "مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تم پر تمھارے نفس کے بھی حقوق ہیں روزہ بھی رکھو اور کھاؤ پیو بھی۔ راتوں کو نمازیں بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ مجھے دیکھو، میں سوتا بھی ہوں اور راتوں کو نماز کے لیے کھڑا بھی رہتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، گوشت بھی کھاتا ہوں اور گھی بھی۔ پس جو میرے طریقے کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔ لوگو! آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے عورتوں، اچھے کھانوں، خوشبو، نیند اور دُنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ میں نے تو تمھیں یہ تعلیم نہیں دی کہ تم راہب یا پادری بن جاؤ۔ میرے ہاں روزہ ضبطِ نفس ہے۔۔۔ رُہبانیت کے سارے فائدے جہاد سے حاصل ہوتے ہیں؛ اِس لیے صرف اللہ کی بندگی کرو۔ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ حج اور عمرہ کرو، نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے رہو۔ زکوٰۃ دو۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اِسی لیے ہلاک ہوئے کہ اُنھوں نے اپنے اوپر سختی کی، جب اُنھوں نے اپنے اوپر سختی کی تو پھر خدا نے بھی اُن پر سختی کی۔ یہ اُنہی کے بقایہ جات ہیں جو خانقاہوں میں نظر آتے ہیں۔" (الحدیث)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری (اقبال)

[1] حد سے بڑھنا یہ ہے کہ شریعت کی حدوں کو توڑ دینا یا شریعت کی پابندیوں کو نا کافی سمجھ کر اُن میں اپنی طرف سے اضافے کرنا یا اُن کو زیادہ سمجھ کر اپنی طرف سے گھٹا دینا وغیرہ۔ (قرطبی۔ ابنِ کثیر)

متشدد ملّاؤں اور بہت ڈھیل دینے والے اہلِ باطل صوفیاء انتہا پسندوں کی اس آیت میں رد ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا (۸۸) اور جو کچھ کہ اللہ نے تمھیں حلال اور
طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اچھی چیزیں عطا کی ہیں، اُن میں سے کھاؤ
اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ۸۸ (پیو) مگر اللہ کو ناراض کرنے سے بچو،
جس کو تم اپنا پالنے والا مالک مانتے ہو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ (۸۹) اللہ تمھاری مہمل قسموں پر تو کوئی مواخذہ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا نہیں کریگا۔ مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے
عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ ہو اُن پر تم کو ضرور پکڑیگا۔ (یہ کہ) تم دس
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ غریبوں کو اُس اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا اُنھیں کپڑے
اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ پہناؤ، یا پھر ایک غلام آزاد کرو۔ اب جو اتنا
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔
اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ یہ ہے تمھاری قسموں کا کفارہ، جب تم قسم کھا کر توڑ
اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ ڈالو۔ (لہٰذا) اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اِس طرح اللہ اپنے احکامات تمھارے لیے کھول کھول
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۸۹ کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اُس کا شکر ادا کرو۔

قسموں کا کفارہ ادا کرو

آیت ۸۹ : یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد واجب ہوگا۔ اِس سے پہلے نہیں۔ خواہ قسم ارادتاً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو

www.drhasanrizvi.org

"کفارے" کے معنی وہ چیز جو گناہ کو ڈھک لے۔

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ یہ بھی ہے کہ: دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلایا جائے، یا کپڑا بنایا جائے۔ اور اگر یہ کچھ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے جائیں۔" اوسط درجے کا کھانا یہ ہے کہ روغنِ زیتون یا سرکہ (مراد سالن) سے روٹی کھلائیں اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ گوشت اور روٹی کھلائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی کس ایک مُد گیہوں دے دیے جائیں۔" (تفسیر صافی ص ۱۴۵)

(نوٹ: ایک مُد چودہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کپڑے دیے جائیں تو فی کس دو جوڑے دیے جائیں)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: "جس کو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد کچھ نہیں بچتا وہ اُن میں داخل ہے جن کے لیے آیت میں کہا گیا ہے کہ "اب جو اتنا بھی نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔" (کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "کفارۂ قسم کے روزوں میں فاصلہ جائز نہیں۔" (یعنی تینوں روزے مسلسل رکھے) (تفسیر صافی ص ۱۴۶)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ حقیقی شکر خدا کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ قسموں کی حفاظت کے معنی قسموں کا خیال رکھنا ہے۔ اور صرف صحیح موقعے پر قسم کھانا ہے۔ اور قسم کھا کر اُسے یاد رکھنا اور پورا کرنا ہے۔ اور اگر پورا نہ کر سکے تو مذکورہ کفارہ ادا کرنا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۹۰

(۹۰) اے ایمان لانے والو! شراب، جُوا بُت یا باطل خداؤں کے نشانات اور جُوئے میں استعمال ہونے والے تیر، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، اِن سے بچو۔ تاکہ تم مکمل کامیابی حاصل کرو۔

شیطانی کاموں کی ممانعت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے

روایت ہے، کہ جناب رسولِ خدا سے پوچھا گیا کہ "مَیسِر" کیا چیز ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہر وہ چیز مَیسِر ہے جس پر ہار جیت کا کھیل ہو۔ حتّٰی کہ اخروٹ ہی کیوں نہ ہو۔" پھر پوچھا گیا: "انصاب کیا چیز ہے"؟ فرمایا: "وہ جانور جو جھوٹے معبودوں، بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں۔" پوچھا گیا کہ: "ازلام کیا ہوتا ہے؟" فرمایا: "وہ تیر جن کے ذریعے سے جوئے کی کمائی تقسیم کی جاتی ہے۔" (تفسیر صافی ص ۱۴۶ بحوالہ کافی)

جوئے کے تحت نَرد اور شطرنج بلکہ ہر قمار بازی کو داخل کیا گیا ہے۔ (تفسیر علی بن ابراہیم)

اسی بنا پر کبوتر، تاش وغیرہ کو بھی فقہاء حرام سمجھتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اللہ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اُس کے پینے اور پلانے والے، خریدنے، بیچنے والے، کشید کرنے اور کشید کرانے والے پر۔ اور اُٹھا کر لے جانے والے پر، جس کے لیے اٹھا کر لیجائی جائے اُس پر لعنت ہے۔" نیز فرمایا: "اُس دسترخوان سے کھانا نہ کھاؤ جس پر شراب پی جارہی ہو۔ شراب کے برتن بھی استعمال نہ کرو۔ نیز: "جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کردے اُسکی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔" (الحدیث)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ۹۱

(۹۱) شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور دلی نفرت کے بیج بوئے۔ اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم (نماز اور ذکرِ خدا سے) رُک جاؤ گے؟

شیطان کی تو بڑی خواہش یہی ہے کہ وہ تم کو ذکرِ خدا اور نماز سے روک دے

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ اس آیت سے شراب اور جُوئے کا حرام ہونا چار وجوہات سے ثابت ہے۔

(۱) انھیں نجاست کہا گیا ہے۔ (۲) انھیں شیطانی کام کہا گیا ہے۔ (۳) ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴) ان سے بچنے پر دینوی و اُخروی حقیقی اور ابدی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

ماہرینِ جدید کے نزدیک بھی شراب پینے اور جُوا کھیلنے کا بڑے بڑے جرائم مثلاً قتل، زنا، چوری، ڈاکے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ تاریخ بھی گواہ ہے کہ بڑے بڑے طاقتور تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ معاشرے جُوئے اور شراب کی لت کی وجہ سے اپنی عزت، طاقت، شان و شوکت، دوست، غرض سب کچھ گنوا بیٹھے۔ اسی لیے احادیث میں شراب کو "اُمُّ الخبائث" یعنی تمام خباثتوں کی جڑ کہا گیا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

شراب اور جوئے کی وجہ سے انسان خدا کے عائد کیے ہوئے فرائض سے غافل ہوجاتا ہے حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے قتل، زنا، جھوٹ، گالی گلوچ، چوری، ڈاکے جیسے جرائم میں ملوث ہوجاتا ہے۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام نے شراب پینے پر ۸۰ اسّی کوڑے مارنے کی سزا دی۔

جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ: "شراب پینے والے کو تعزیر دی جائے گی، اگر دوبارہ پیے تو پھر تعزیر اور تیسری مرتبہ بھی تعزیر، لیکن چوتھی مرتبہ اُس کو قتل کردیا جائے گا۔" اور فرمایا "بروز محشر شرابی کے لیے حرام کار عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہونے والا بدبودار پیپ اور غلیظ خون دوزخ میں غذا ہوگی، جس کی بدبو سے تمام اہلِ جہنم پناہ مانگیں گے۔ (تفسیر صافی)

قرآن میں شراب کا سب سے بڑا نقصان خانہ جنگی کو بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو جھگڑے کرنا کتنا ناپسند ہے۔

اب جبکہ شراب کو خواہ اسی لیے حرام قرار دے دیا کہ اسے پی کر لوگ لڑتے جھگڑتے ہیں، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں پی کر نہ لڑوں گا، تو بھی حرمت قائم رہے گی۔ یہ اصول تمام اُن احکامات پر جاری رہے گا جن کی بناء پر احکام کلیہ جاری کیے گئے ہیں۔ اب ان کی حرمت کو ماننا واجب ہے۔ (فصل الخطاب)

خدا کا فرمانا کہ "جوا اور شراب خدا کی یاد اور نماز سے روک دیتے ہیں"۔ اس سے نماز کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی اور شراب اور جوئے کا دوسرا بڑا نقصان بھی معلوم ہوگیا۔ (بیضاوی۔ مدارک)

جوئے کی حرمت کی بنیاد پر فقہائے اسلام نے شطرنج اور تمام نیم قماری کھیلوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (جصاص۔ قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ۹۲

(۹۲) اور اللہ اور (اُس کے) رسولؐ کی بات مان لو۔ اور اِن چیزوں سے باز آجاؤ۔ اگر اس کے بعد بھی تم نے حکم نہ مانا تو پھر یہ بھی جان لو کہ ہمارے رسولؐ پر تو فقط صاف صاف حکم پہنچا دینے ہی کی ذمّے داری ہے (حکم کو منوانے کی نہیں)۔

اطاعتِ رسولؐ کے حکم میں آلِ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے۔

"اطاعتِ رسولؐ" کے حکم میں آلِ رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے، اِس لیے کہ خود جنابِ رسولِ خداؐ نے قرآن کے ساتھ ساتھ آلِ رسولؐ سے تمسک کا حکم دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: "میں تم میں دو گرانبہا اپنے خلیفہ چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے میرے اہلِ بیت۔ جب تک تم اِن دونوں سے تمسک اختیار کرتے رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوضِ کوثر پر نہ مل جائیں"۔
(ترمذی شریف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "خدا کی قسم! تم میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا اور نہ قائمِ آلِ محمدؐ کے آنے تک کوئی ہلاک ہوگا، مگر اِس وجہ سے کہ وہ ہماری ولایت کو ترک کردے اور ہمارے حق کا انکار کرے"

پھر امامؑ نے فرمایا: "جنابِ رسولِ خداؐ اُس وقت تک دُنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اِس اُمّت پر ہمارا حق لازم نہ کر دیا۔"

(تفسیر صافی صفحہ ۱۴۶ بحوالہ کافی)

www.drhasanrizvi.org

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ (۹۳) اب جنھوں نے حکم مان لیا اور وہ نیک
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا کام کرنے لگے تو جو کچھ کہ اُنھوں نے پہلے
طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا کھایا پیا تھا، اُس پر اُن کی کوئی پکڑ دھکڑ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ آئندہ اُن چیزوں سے
اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ بچتے رہیں جو حرام کی گئی ہیں، اور اپنے
اَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۹۳ ع ایمان پر قائم رہیں اور اچھے کام کرنے لگیں۔ پھر جس چیز سے بھی روکا جائے اُس سے رُکیں۔ اور جو خدا کا حکم ہو اُسے مانیں۔ پھر خدا سے ڈرتے ہوئے مکمّل نیک رویّہ اختیار کرلیں۔ تو اللہ احسان کرنے والے نیک کردار لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

حُرمت آنے سے قبل جو کچھ کھا پی لیا اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا:

[۱] روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب اور جُوئے کی حُرمت کا حکم آیا تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر اُن لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو اب تک شراب پیتے رہے اور جُوئے کا مال کھاتے رہے؟ اب وہ زندہ بھی نہیں ہیں کہ توبہ کرلیں؟ اس کے جواب میں یہ آیت اُتری۔ ایسا ہی سوال تحویلِ قبلہ کے وقت بھی کیا گیا تھا کہ اب اُن نمازوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف ہم پڑھ چکے ہیں؟ (جصّاص)

خدا نے جواباً فرمایا:۔ "مومنین جو کچھ حکمِ حُرمت آنے سے پہلے کھا پی چکے ہیں، اب اُس کا مواخذہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ بعد میں ان احکام کی پابندی کریں۔" (جلالین۔ شاہ ولی اللہ)

www.drhasanrizvi.org

احسان اور تقویٰ کی مختصر تشریح ۲

عرفاء کے نزدیک "احسان" سلوک و عرفان یا نیک اعمال کی آخری منزل کا نام ہے۔ اِس کے معنی اچھے کام کو اچھی نیّت سے بہت اچھے طریقے، دل و جان سے، بھرپور طریقے سے انجام دینا ہے، سرسری طور پر انجام دینا احسان نہیں۔

احسان کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اُس کا حق اُس کے استحقاق سے زیادہ دیا جائے۔ احسان عدل کے بعد کی منزل ہے۔ "عدل" کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق اُس کے استحقاق کے برابر دیا جائے۔ اور "احسان" یہ ہے کہ اُس کا حق اُس کے استحقاق سے زیادہ دیا جائے۔

اور "احسان" کی تعریف حدیثِ نبویؐ میں اِس طرح ہے: "اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔" یعنی "احسان کا درجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اِس طرح کر گویا کہ تُو اُس کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔" اور اِس کو ایقان بھی کہا جاتا ہے "تقویٰ کو ایمان سے مقدّم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایمان تقویٰ کی وجہ سے قوت و طاقت حاصل کرتا ہے۔ یعنی جس قدر تقویٰ زیادہ ہوگا ایمان بھی زیادہ ہوگا۔ اور اِس آیتِ مجیدہ میں جو تکرارِ تقویٰ ہے پہلی مرتبہ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا تقویٰ عام اور ایمان کا پہلا درجہ مراد ہے۔ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا جب دوبارہ استعمال ہوا تو اِس سے مراد تقویٰ خاص اور ایمان کا دوسرا درجہ یعنی عین الیقین اور تیسری مرتبہ تقویٰ خاص الخاص اور ایمان کا تیسرا درجہ حق الیقین ہے۔ اِسی لیے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۵ صـ ۱۲۶)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ (۹۴) اے ایمان لانے والو! اللہ تمہارا امتحان
اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اُس شکار کے ذریعے سے لیتا ہے جس کو
اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ تمہارے ہاتھ اور نیزے پالیں' یہ دیکھنے
اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ کے لیے کہ کون اَن دیکھے خدا سے ڈرتا ہے
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ پھر جو اُس کے بعد بھی اللہ کی مقرر کی ہوئی
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۹۴ حد سے آگے بڑھا' تو اُس کے لیے بڑی
سخت تکلیف دینے والی سزا ہے ۔

صلح حُدیبیہ کے موقع پر امتحان

حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ
یہ آیت صلحِ حُدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جب خدا نے تمام جانور جنابِ رسولِ خداؐ کے لیے وہاں بھیج دیے تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہاتھ اور نیزے بآسانی اُن تک پہنچ سکتے تھے ۔

(تفسیر قمی ' الکافی)

کیونکہ اصحابِ کرام شکار کے عادی تھے اِس لیے اُن کی اطاعت اور قوتِ ضبط کا خاص طور پر امتحان ہو رہا تھا ۔ اور یہ کہہ کر " بِشَيْءٍ " " اللہ تمہارا تھوڑا سا امتحان اِس شکار کے ذریعے سے لیتا ہے ۔ " یہ بتایا کہ یہ کوئی سخت امتحان نہیں ہے ، معمولی سا امتحان ہے ۔ (بیضاوی ۔ کشاف)

بہر حال اِس شکار سے وہ جانور بہر حال مستثنٰی ہیں جن کو مارنا حدیث سے ثابت ہے یا دوسری آیت سے ثابت ہے ۔ جیسے دریائی جانور ، سانپ ، بچھو ، بھیڑیا ، کاٹنے والا کتا وغیرہ

(جصاص بقول ابنِ عباسؓ)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا (۹۵) اے ایمان لانے والو! تم حالتِ احرام میں
الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ ہو تو شکار نہ مارو۔ اب جو اُسے جان بوجھ
قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ کر مارے تو جو جانور اُس نے مارا ہو اُسی کے
مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ جیسا ایک جانور مویشیوں میں سے اُسے نذر
يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل
هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ آدمی کریں گے۔ اور یہ نذرانہ کعبہ تک پہنچایا
طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ جائے گا۔ یا اِس گناہ کے کفّارے میں اُسے
ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ یا اُس کے
اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ بدلے روزے رکھنے ہوں گے۔ تاکہ وہ اپنے کیے
وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ بھی ہو چکا ہے وہ تو
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ خدا نے معاف کر دیا۔ لیکن جو پھر ایسا کرے گا
تو اللہ اُس سے بدلہ لے گا۔ اور اللہ تو سب پر غالب زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

حالتِ احرام میں شکار مارنے پر نذر یا کفّارہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے

روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جب تم حالتِ احرام میں ہو تو ہر جانور کے قتل کرنے سے بچو۔ سوا سانپ، بچھو اور چوہے کے۔ کیونکہ چوہا مشک کو کاٹ ڈالتا ہے اور مکان یا خیمے میں آگ لگا دیتا ہے۔ یہی حکم دیوانے کتّے اور درندے کے لیے بھی ہے۔ کوّے یا چیل کو پتھر وغیرہ

www.drhasanrizvi.org

سے صرف اُڑا دینا چاہیے۔ (تفسیر صافی۔ بحوالہ التہذیب)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ " ہرن کے بدلے بکری اور گورخر کے بدلے گائے، اور شُتر مرغ کے بدلے پانچ برس کا اونٹ ذبح کیا جائے اور گائے بدلے گائے ذبح کی جائے۔ (تفسیر صافی ص۱۴۷ بحوالہ التہذیب)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کے جانور کا اُس نے شکار حالتِ احرام میں کیا ہے، ویسا ہی جانور کعبہ میں لے جاکر ذبح کرے۔ یہاں جنس میں مماثلت مراد ہے۔ (جلالین، شاہ ولی اللہ)

اور قیمت کے لحاظ سے مماثلت بھی مقصود ہے۔ (امام ابوحنیفہ)

اب قرآن کا یہ کہنا کہ " اِس کا فیصلہ دو عادل شخص کریں گے " یہ بتاتا ہے کہ قیمت کے لحاظ سے مماثلت بھی مراد ہے۔ کیونکہ گائے کے بدلے گائے، اور بکری کے بدلے بکری مراد ہوتی تو پھر اس میں فیصلہ کرنے کا کیا سوال باقی رہا ؟ البتہ قیمت کے معاملے میں دھاندلی ہوسکتی ہے۔ اس لیے فیصلہ کرنے والوں کی ضرورت ہے۔

لیکن بعض اوقات اس جنس کا جانور جس کا شکار کیا گیا ہے، میسّر نہ ہو تو پھر جنس کے لحاظ سے قریب تر کون سے جانور کا فیصلہ کرنا ہے، یہ فیصلہ ہر آدمی نہیں کرسکتا۔ (تبیان، مجمع البیان، فصل الخطاب)

آیت کے آخری دونوں لفظوں نے کہ " اللہ سب پر غالب، اپنے زور پر کام کرنے والا، عزّت والا، زبردست، اور بدلہ لینے والا ہے۔" اِن الفاظ سے جاہل قوموں کے اِس عقیدے کو یکسر باطل قرار دے دیا کہ " خدا ہر قسم کی فعالیّت سے محروم، بالکل بے حس اور جامد ہے۔ (معاذ اللہ)

www.drhasanrizvi.org

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ (۹۶) تمھارے لیے سمندر کا شکار اور
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ اُس کا کھانا حلال قرار دیا گیا ہے تاکہ
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ وہ تمھارے لیے اور قافلے والوں کے
حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ لیے فائدے کا ذریعہ ہو۔ لیکن جب تک
اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۹۶ تم احرام باندھے ہو، تو اُس وقت تم پر
خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ پس بچو خدا کی نافرمانی سے جس کی پیشی کے لیے تم
سب کے سب کو گھیر گھیر کر خدا کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

سمندر کا شکار حلال قرار دیا گیا ہے

اِس سے پہلے والی آیت میں کہا گیا تھا کہ "شکار کے ذریعے سے تمھاری آزمائش کی جائے گی"۔ اُس کی تفصیل بیان ہوگئی۔ کہ وہ خشکی کا شکار ہے جو حرام ہے۔

لیکن دریائی شکار جیسے مچھلی، حرام نہیں۔ "بحر" میں تالاب اور جھیل کی مچھلیاں بھی شامل ہیں، اِس لیے کہ "بحر" خشکی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ اِس لیے یہاں اِس کے معنی تری کے ہیں۔ اِس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ایسے شکار کا کھانا بھی حلال ہے۔

(تفسیر تبیان، ابن جریر، جصاص۔ معالم)

www.drhasanrizvi.org

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ۹۷

(۹۷) اللہ نے کعبہ کو جو محترم گھر ہے سب لوگوں کے فائدے کا سبب[1] قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح محترم مہینے[2] اور قربانی کے جانوروں اور اُن جانوروں کو بھی کہ جن کے گلے میں پٹا ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تمھیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے تمام حالات کو خُوب خُوب جانتا ہے۔ اور اُسے ہر ہر چیز کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کعبۂ محترم کو لوگوں کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے

[1] عربوں کو کعبے کے پاس جمع ہونے میں تجارتی منافع بھی تھا۔

سعید ابنِ جُبیرؓ نے کہا کہ اس سے دُنیوی فائدہ بھی مراد ہے۔ یہی کچھ حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی فرمایا ہے۔ (مجمع البیان)

کیونکہ قبائلِ عرب حدودِ حرم میں آکر کھنچی ہوئی تلواروں کو نیام میں رکھ لیتے تھے۔ حج کے مہینے میں لڑائیاں رُک جاتی تھیں۔ جب کسی قافلے میں قربانی کے جانور دیکھ لیتے تھے تو اُس کو لُوٹتے نہ تھے اسی لیے خدا نے ارشاد فرمایا کہ: "خدا نے اِس محترم گھر کو ان تمام چیزوں اور لوگوں کے لیے حالات کی درستی اور تنظیم کا مرکز بنایا۔" (مجمع البیان - بقول ابنِ عباس)

www.drhasanrizvi.org

عرب میں کعبے کی حیثیت محض ایک مقدّس عبادت گاہ ہی کی نہ تھی، بلکہ اپنی مرکزیّت کی وجہ سے پورے ملک کی معاشی اور تمدّنی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا۔ حج اور عمرے کی وجہ سے سارا عرب آتا تھا۔ اِس طرح عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا تھا۔ تمدّنی روابط شاعری کے مقابلے، زبان اور ادب کی ترقّی، تجارتی لین دین اور سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ محترم مہینوں کی وجہ سے عربوں کو سال بھر کے ایک تہائی عرصے میں امن نصیب ہوتا تھا۔ اس زمانے میں تجارتی قافلے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آتے جاتے تھے۔ (تفہیم)

کعبہ کے معنی "بلند مقام" کے ہیں۔ یہ بلندی ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔ (تفسیر کبیر)

کعبہ کو "بیت" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اِس میں چھت اور دیواریں ہیں، اِس لیے نہیں کہ اس میں کوئی رہتا ہے۔ (قرطبی)

کیونکہ خدا نے کعبے کو ساری انسانیّت کے فائدے کا سبب قرار دیا ہے، اِس لیے محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ "جب تک کعبہ موجود ہے انسانوں کی آبادی باقی رہے گی۔ انسانیّت کی سانس اِسی کے وجود سے باقی رہیگی"
(قرطبی - تفسیر کبیر - روح)

بیت سے زیادہ اہم اہلِ بیتؑ ہیں جن کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ (بقول امام جعفر صادق علیہ السّلام) (اصول کافی)

۲ محترم مہینوں سے حُرمت والے چار مہینے مراد ہیں جو تمام عرب جانتے اور مانتے تھے۔ چار ولے مہینوں کے لیے دو الفاظ استعمال فرما دیے۔ (قرطبی - تفسیر کبیر - جصاص)

خدا نے اِس آیت سے پہلے بھی اپنی رحمت اور ربوبیت کو بیان فرمایا تھا۔ پھر درمیان میں عقاب کا ذکر آ گیا۔ مگر آیت کا خاتمہ اپنی صفتِ مغفرت اور رحمت پر فرمایا۔ اس میں یہ نکتہ نکلا کہ خلق کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے اور انشاء اللہ خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔ (رازی - تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹۸

(۹۸) جان لو کہ خدا سزا دینے میں بھی بہت ہی سخت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا بہت ہی معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا بھی ہے۔[1]

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۹۹

(۹۹) رسولؐ پر تو صرف (خدا کے پیغام کو) پہنچا دینے ہی کی ذمّے داری ہے۔ مگر اللہ تمہارے اُن تمام حالات کو، خوب جاننے والا ہے جنھیں تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو۔

ایمان دُو برابر حصّوں میں منقسم ہے

[1] آیت ۹۸ آیت میں خدا کا خود کو غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمانا اُمید اور خوف دونوں پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے جو ایمان کے دوؔ حصّے ہیں۔

جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "ایمان دوؔ برابر حصّوں میں تقسیم ہے۔ آدھا خوف اور آدھا (خدا کی رحمت سے) اُمید۔" (الکافی)

خدا فرماتا ہے کہ "جو چھوٹا یا بڑا کوئی گناہ کرے اور اُس کا یہ ایمان ہو کہ مجھے اس کے عذاب کرنے اور معاف کرنے کا اختیار ہے تو میں اُس کو معاف کر دیا کرتا ہوں۔" (حدیثِ قدسی فی صافی)

(بحوالہ انوار النجف ج ۵ صفحہ ۱۲۳)

www.drhasanrizvi.org

قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

(۱۰۰) آپ کہہ دیجیئے کہ ناپاک اور پاک چیز برابر نہیں ہے۔ چاہے ناپاک چیز کا زیادہ ہونا تمہارے دل کو خوب لبھائے پس اے عقل والو! اللہ کی ناراضگی سے بچو تاکہ تم ہر طرح کی بہتری اور بھرپور کامیابی حاصل کرلو۔

ناپاک و حرام چیز کثرت و خوبصورتی کے باوجود پاکیزہ و حلال چیز سے بہتر نہیں ہوسکتی

مطلب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں شکار کو ممنوع قرار پانے سے تمہارا دل نہ دکھے، کہ افسوس اللہ کی ان نعمتوں سے محروم ہوگئے۔ کیونکہ حرام غذا چاہے بہت سی ہو، وہ کسی کام کی نہیں جبکہ اُس کا کھانا خدا کو پسند نہ ہو۔ اِس کے مقابلے میں وہ کم غذا اچھی ہے جو پاک اور حلال ہو۔

نتیجہ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں بُرے، اچھے " سے " کافر اور مومن " لوگ مراد ہیں۔ کثرت اور جمہور کی طاقت کی کوئی قیمت نہیں جبکہ وہ حق کے خلاف ہوں۔ (تفسیر تبیان)

یہ آیت حقیقت میں قدر و قیمت کا ایک الگ معیار پیش کرتی ہے۔ ظاہربیں نظروں میں سَو روپے بڑی چیز ہے اور پانچ روپے معمولی چیز ہے۔ مگر آیت بتاتی ہے کہ سَو روپے اگر خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کیے گئے ہوں تو وہ ناپاک ہیں۔ اور پانچ روپے اگر خدا کی اطاعت

www.drhasanrizvi.org

کر کے جائز طریقوں سے کمائے گئے ہوں تو وہ پاک ہیں۔ اور ناپاک چیز مقدار میں کتنی ہی زیادہ ہو، بہرحال وہ کسی طرح بھی پاک کے برابر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ غلاظت کا ڈھیر عطر کے ایک قطرے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پیشاب سے بھری ہوئی نالی، صاف و پاک پانی کے ایک چُلّو کے برابر نہیں کہی جا سکتی۔ اِس لیے صاحبِ عقل وہ ہے جو حلال پر قناعت کرتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اور شریف آدمی کبھی حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی کثیر اور شاندار ہو۔ (تفہیم)

۲ "لُبّ" کے معنی خالص عقل کے ہوتے ہیں، جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہو۔ عقل خدا کی عظیم الشان نعمت ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جناب رسول خدا نے ارشاد فرمایا: "خدا نے عقل کو پیدا کیا۔ پھر اُسے حکم دیا: "آگے آؤ"۔ وہ آگے آئی پھر فرمایا: "پیچھے ہٹو"۔ وہ پیچھے ہٹی" (معلوم ہوا کہ عقل وہ چیز ہے جو خدا کے حکم پر ہر کام کرتی ہے اور اُس کے روکنے پر رُک جاتی ہے) عقل کی اِس فرمانبرداری پر خدا نے ارشاد فرمایا: "مجھے اپنی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ میں نے تجھ (عقل) سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں پیدا کی۔ میں تجھ ہی سے حساب لوں گا، تجھ ہی کو ثواب دوں گا، اور تجھ ہی کو سزا دوں گا۔" (الکافی)

حاصلِ کلام: مطلب یہ ہے کہ پاکیزگی کی راہ اختیار کرو، بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوبصورتی سے متاثر ہو کر اُدھر جُھک نہ پڑو۔ (کشّاف)

اِس لیے اہلِ حق کے مقابلے میں اہلِ رسوم اور اہلِ کفر و نفاق و بدعت کی کثرت سے کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ (تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۱۰۱

(۱۰۱) اے ایمان لانے والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال ہی نہ کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں[1] (کیونکہ) اگر تم اُن کے بارے میں پوچھو گے، جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے، تو وہ باتیں تم پر ظاہر کردی جائیں گی (خیر جو کچھ تم نے پوچھ لیا) اُسے تو اللہ نے معاف کردیا۔ اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا برداشت کرنے والا۔

ایک ہی سوال کے بارے میں بار بار جرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو۔"

[1] اس سوال نہ کرنے کے سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خدا ایک مرتبہ خطبہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ نے تم پر حج کو واجب قرار دیا ہے"۔ عکاشہ ابن مومن نے (اور دوسری روایت کے مطابق سراقہ بن مالک نے) پوچھا کہ کیا ہر سال حج واجب ہے"؟

آنحضرتؐ نے یہ سن کر منھ پھیر لیا۔ اُس نے دو تین دفعہ یہی سوال دُہرایا۔ آپؐ نے ہر بار منھ پھیر پھیر لیا۔ پھر فرمایا: "وائے ہو تجھ پر، اگر میں ہاں کہہ دوں تو پھر کیا ہو؟ خدا کی قسم اگر

www.drhasanrizvi.org

میں، ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال کے لیے واجب ہو جاتا۔ اور پھر تم ہر سال حج نہ کر سکتے۔ اور جب نہ کر سکتے تو کافر ہو جاتے۔ پس جب میں کوئی بات چھوڑ دیا کروں تو تم اُس کا پیچھا نہ کیا کرو۔ اِس لیے کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ (بے جا) سوالات کرنے کی وجہ سے اور پھر انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پس جس بات کا حکم دوں اُس کو جہاں تک ہو سکے بجا لاؤ۔ اور جس کام سے روک دوں، رُک جاؤ۔" (صافی ص۱۳۸، مجمع البیان، ترمذی)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ خواہ مخواہ خود سے کھوج لگا لگا کر سوال نہ پوچھا کرو کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اس طرح خواہ مخواہ بے ضرورت پوچھنے سے بہت ممکن ہے کہ تم پر کوئی سخت پابندی عائد ہو جائے۔ جب تک کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا یا کسی چیز کو حرام نہیں فرمایا گیا، اُس وقت تک تمہارے لیے بڑی آسانی ہے۔ کیونکہ اصل میں ہر چیز حلال ہے جب تک کہ اس کو حرام نہ قرار دیا جائے۔ (فصل الخطاب)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت احکامِ شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔ (مجمع البیان)

غرض آیت میں ایسے سوالات کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جو فضول، غیر متعلق اور لایعنی ہوں۔ اگر کوئی ایسا سوال ہو جو ہماری معاشی یا معادی زندگی سے وابستہ ہو، تو وہ ضرور پوچھنا چاہیے۔ صرف دُور دُور کے احتمالات پیدا کر کے سوال کرنا، وہ بھی صرف سوال کرنے کے لیے، ایسے سوالوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ صرف مذاق کے طور پر سوال کیا کرتے تھے۔

ایسے سوالات کرنے سے شاید اس لیے روکا گیا ہے کہ اِس سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ دین کی توہین ہوتی ہے، اور علماء کو تکلیف ہوتی ہے۔ (تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۲

(۱۰۲) تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے ایسی ہی باتوں کا سوال کیا تھا، پھر وہ لوگ اُنہی باتوں کی وجہ سے حق کے مُنکر بھی ہو گئے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

(۱۰۳) اللہ نے نہ تو "بحیرہ" مقرر کیا ہے، نہ "سائبہ" نہ "وصیلہ" اور نہ "حام" لیکن جو کافر ہیں وہ خدا پر جھوٹی تُہمت لگاتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

(آیت ۱۰۲) یعنی خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر تو احکامات دریافت کیے اور جب پابندیاں لگائی گئیں تو اُن کی مخالفت کی۔ (جلالین)

جس طرح حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان (مائدہ) کے نزول کا سوال کیا اور پھر کافر ہو گئے تو اللہ نے اُن کو سُور (خنزیر) کی شکلوں میں مسخ کر دیا۔ اِسی طرح دیگر انبیاءؑ کی قوموں نے کیا، اور پھر وہ بھی اپنے کفر کی وجہ سے موردِ عذاب ہوئے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

(آیت ۱۰۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی اونٹنی دو بچے جنتی تھی تو اُس کو "وصیلۃ" کہتے تھے پھر نہ تو اُس کو ذبح کرنا جائز و حلال سمجھتے تھے اور نہ اُس کا گوشت کھاتے تھے۔ اور جو اونٹنی

www.drhasanrizvi.org

دس بچے جن چکی ہوتی تھی اُس کو "سائبۃ" کہتے تھے۔ اِس کی پیٹھ پر سوار ہونا اور اُس کو کھانا حرام سمجھتے تھے۔ اور اُونٹوں کے نر (سانڈ) کو "حامٍ" کہتے تھے۔ اُس پر سوار ہونا اور کھانا حرام سمجھتے تھے۔" اِسی لیے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان تمام باتوں کو حلال قرار دیا۔" (تفسیر صافی ص۱۴۸ بحوالہ معانی الاخبار)

جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ "عمرو بن لحی ابنِ قمعہ ابنِ جندب مکّہ کا بادشاہ تھا۔ جس نے دینِ اسماعیل کو بدلا اور بُتوں کی عبادت شروع کی۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ کی رسمیں شروع کیں۔ میں نے اُسے دوزخ میں اِس حال میں دیکھا کہ دوزخ والے اُس کی جلتی ہڈیوں کی بدبُو سے اذیّت پاتے ہیں۔" (تفسیر صافی ص۱۴۸)

لہ خدا نے، ازخود لگائی ہوئی پابندیوں کو کذب" اور افترا" فرمایا ہے۔ اب ہمارے ملک میں بھی نذر و نیاز کے ذیل میں بعض اُلٹی سیدھی پابندیاں لگائی جاتی ہیں جن کی کوئی اصلیت شرع میں نہیں۔ جبکہ قرآن نے ایسی خود ساختہ پابندیوں کی مذمّت کی ہے۔ (فصل الخطاب)

خلاصہ غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے تو اُنھوں نے خود خدا کے احکام میں موشگافیاں کیں۔ اور ایک ایک چیز کے متعلّق خواہ مخواہ سوالات کر کر کے پابندیوں کا ایک جال اپنے لیے تیار کر لیا۔ پھر ریشم کے کیڑے کی طرح خود اُسی جال میں اُلجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں پھنس کر رہ گئے۔ اِس گروہ سے خاص طور پر مراد یہودی ہیں۔ اور پھر مسلمان متکلّمین بھی بڑی حد تک اِسی ذیل میں آتے ہیں۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (۱۰۴)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس قانون کی طرف آؤ جو خدا نے اُتارا ہے[1] اور (اُس کے) رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے اُن کے باپ دادا نہ تو کچھ علم ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔

دینی معاملات میں آباء و اجداد کی تقلید کا حوالہ دینا کفّار کا طریقہ تھا۔ (مشرکین)

مشرکین کی یہ دلیل کہ "ہمیں تو کافی ہے وہ کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے" بڑی احمقانہ ہے۔ محققین نے **نتیجہ نکالا کہ**: ہر انسان کا فرض ہے کہ خود حقیقتوں پر غور کرے۔ باپ دادا کا عمل کسی بات کے ٹھیک ہونے کی قطعاً دلیل نہیں۔ اولاد کا فرض ہے کہ اپنی عقل و بصیرت استعمال کرے۔ اسی سے محققین نے یہ **نتیجہ بھی نکالا کہ**: اصول دین میں تقلید حرام ہے۔ ہر شخص اپنی عقل اور ضمیر سے کام لینے کا پابند ہے۔ (تفسیر تبیان)

[1] آیت میں یہ فرمانا کہ: "اُس قانون کی طرف آؤ" اِس سے ثابت ہوا کہ قرآن کافی نہیں، بلکہ رسولؐ کی زندگی اور ارشادات کو ماننا بھی ضروری ہے، جو قرآن کی تفسیر اور معنی ہیں۔ اِسی بُنیاد پر جمہور اُمّت نے کتاب اور سنّت کو احکامِ الٰہی کا ماخذ مانا ہے اب یہ کہنا کہ کتاب کافی ہے، خود قرآن کے خلاف ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ (۱۰۵) اے ایمان لانے والو! تم پر خود
اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ تمہاری ذمّے داری ہے۔ اگر تم سیدھے
اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ راستے پر ہو، تو کسی دوسرے کی گمراہی سے
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تمہارا کچھ نہیں بگڑتا (کیونکہ) تم سب کو
تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۰۵ اللہ ہی کی طرف تو پلٹنا ہے۔ پھر وہ (خود)
تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

اپنے کردار کی درستی میں لگے رہو

اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: "تم اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ دوسروں کے عیب نہ نکالو کیونکہ اگر تم خود نیک بن جاؤ گے تو دوسروں کی گمراہی تم کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ (تفسیر قمی)

اِس لیے دوسروں کی گمراہی کے غم میں مرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ دوسروں پر بہت زیادہ اعتراض کرنے کی ضرورت ہے بس اپنی اصلاح کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ عام طور پر لوگ دوسروں کے عیب خوب نکالتے ہیں۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی اُن کو شہتیر سے بڑا دکھائی دیتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔

البتہ اِس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوئی فکر نہ کرو۔ اِس سلسلے میں اعتدال اور احتیاط ضروری ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور پھر اپنے آدمیوں کی اور پھر دوسروں کی فکر کرو۔ (تفسیر تبیان)

غرض انتہا پسندانہ نقطۂ نظر غلط ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ (۱۰۶) اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی پر موت کا
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو تمہارے
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ درمیان گواہی کے لیے تم میں سے دو عادل آدمی گواہ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ بنائے جائیں۔ ہاں اگر تم سفر میں ہو اور اس
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ حالت میں تم پر موت آجائے، تو دو گواہ غیروں
فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ میں سے بنالو۔ پھر اگر تمہیں شک ہو جائے تو
الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ دونوں گواہوں کو نماز کے بعد کھڑا کرو، اور وہ
بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ: ہم اس گواہی کی کوئی
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ قیمت نہیں لے رہے ہیں۔ (یعنی) ہم اپنے کسی ذاتی
ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَ فائدے کے بدلے اپنی گواہی بیچنے والے نہیں ہیں،
لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ چاہے وہ ہمارا رشتے دار ہی کیوں نہ ہو، اور نہ
اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ ۱۰۶ خدا کے واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں،
(کیونکہ) اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم گناہگاروں میں شمار ہوں گے۔

موت کے وقت وصیت پر دو عادلوں کی گواہی کا حکم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے، کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "دو عادل آدمی" "ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ" سے مراد دو مسلمان ہیں۔ اور "غیروں میں سے دو گواہ"

www.drhasanrizvi.org

"اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ" سے مراد اہلِ کتاب میں سے دو شخص ہیں۔ اگر اہلِ کتاب میسّر نہ ہوں تو مجوسی کو گواہ بنالو۔ وہ خدا کی قسم کھالیں کہ "ہم اِس قسم کو کسی بات کے عوض فروخت نہ کریں گے، چاہے طرفین میں سے کوئی ہمارا رشتے دار ہی کیوں نہ ہو، ہم خدا کی گواہی کو نہ چھپائیں گے کیونکہ اس صورت میں ہم گناہگار ہو جائیں گے۔" پھر اگر میت کے وارثوں کو اُن دونوں کی گواہی پر شک ہو اور اُن کو کسی طرح معلوم ہو جائے کہ اِن دونوں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو اُن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اُن دونوں کی گواہی کو توڑ ڈالیں، جب تک کہ وُہ ایسے گواہ نہ لائیں جو قسم کھا کر کہیں کہ "ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچّی ہے۔ اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ ورنہ ہم یقیناً ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔" اگر اُنھوں نے ایسا کیا تو پھر پہلی دونوں گواہیاں ٹوٹ جائیں گی اور بعد والے دونوں کی گواہیاں جائز قرار پائیں گی۔ (تفسیر صافی ص ۱۴۹، بحوالہ کافی و من لایحضرہُ الفقیہ، التہذیب)

محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کو گواہ بنانا صرف اُس حالت میں درست ہے جب کوئی مسلمان گواہ بننے کے لیے موجود نہ ہو۔

دوسرا **نتیجہ** یہ نکالا کہ قرآن صرف اخلاق نامہ ہی نہیں بلکہ قانونِ حیات بھی سکھاتا ہے۔ کیونکہ قرآن ایک مکمّل ہدایت نامہ اور دستور العمل ہے۔ قرآن اِس جگہ قانونِ وراثت اور وصیّت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کر رہا ہے۔ (ماجدی)

تیسرا **نتیجہ** یہ نکالا کہ حالتِ سفر میں اگر مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ (قرطبی۔ بقول ابن عبّاسؓ و سفیان ثوری و امام احمد بن حنبل وغیرہ)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ (۱۰۷) لیکن اگر یہ پتہ چل ہی جائے کہ اُن دو
اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا گواہوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے،
مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ تو پھر اُن کی جگہ دو اور شخص جن کا حق اُن
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ سے چھینا گیا ہے، کھڑے ہوں، جو گواہی
لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ دینے کے اُن سے زیادہ اہل بھی ہوں، اور
شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۰۷ اُن کی گواہی سے زیادہ صحیح ہے۔ اور ہم
نے اپنی گواہی میں ذرا سی بھی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم
ظالموں میں سے ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ نے اِس آیت سے ذِمّیوں کے آپس کے معاملات میں اُن کی گواہی کو جائز ثابت کیا ہے (قرطبی)
آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سفر کر رہے ہو، اور اس حالت میں تم پر موت آجائے تو دو نیک شریف
آدمیوں کو اپنا وصی مقرر کر دو۔ وہ دونوں تمہارا مال سامان لے کر تمہارے وارثوں کے پاس جائیں۔
اگر وارثوں کو اُن کی گواہی میں شک پیدا ہو جائے تو اب چاہیئے کہ نماز کے بعد اُن دونوں گواہوں
کو مسجد میں روک لو اور اُن سے قسم لے کر پوچھو۔
یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا اس لیئے کہ شاید قسم سے ڈر کر اوّل ہی جھوٹ ظاہر کر دیں۔ پھر
اگر اُن کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں۔ یہ بھی اس واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ ہماری قسم اُلٹی پڑیگی۔
(موضح القرآن - شاہ عبدالقادر صاحب)

www.drhasanrizvi.org

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(۱۰۸) اِس طریقے سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے۔ یا کم سے کم اِس بات ہی سے ڈریں گے کہ اُن کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں اُن کی تردید نہ ہو جائے۔ پس اللہ کے غصے سے بچو اور (وصیت کو ٹھیک ٹھیک) سنو۔ (کیونکہ) اللہ حکم نہ ماننے والے بدکاروں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ۱۰۹

(۱۰۹) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کرکے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ خود تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جاننے والے ہیں۔

انبیاء سے پوچھا جائے گا

(آیت ۱۰۹) انبیاء کرام ؑ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ "ہم تو صرف اس محدود اور ظاہری جواب کو جانتے ہیں جو ہماری قوم ہماری زندگی میں دیا کرتی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ ہماری تبلیغ کا کتنا اثر کہاں، کس صورت میں کتنا ہوا، اِس کا صحیح علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ (تفہیم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "خدا پیغمبروں

www.drhasanrizvi.org

سے اُن کے اوصیاء کے بارے میں دریافت کرے گا جن کو وہ اپنی اُمتوں پر خلیفہ مقرر کر کے گئے تھے، کہ تمہارے حکم کی کہاں تک تعمیل کی گئی؟ انبیاءؑ جواب دیں گے کہ "ہماری اُمتوں نے جو کچھ کیا، اُس کا ہمیں علم نہیں۔" (تفسیر صافی ص ۱۴۹ بحوالہ کافی)

"اصل میں یہ انبیاءؑ کرام کا کمالِ ادب ہی ہے کہ علمِ خدا کے سامنے کس طرح عاجزی سے کہہ رہے ہیں کہ "ہمیں کچھ خبر نہیں، بس غیب داں تیری ہی ذات والا صفات ہے۔"

نتیجہ ۱: آیت کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ قوم کے لبیک کہنے، نہ کہنے کی ذمّے داری پیغمبروں پر نہیں ہوا کرتی۔ اور اپنے علم کی نفی اِس لئے کی جارہی ہے کہ اُنھیں ذاتاً صرف اپنے سامنے کے عمل کا علم ہوتا ہے۔ اور قلبی ایمان لانے، نہ لانے کا علم بھی خدا ہی کو ہوتا ہے۔ خدا کے دیے ہوئے علم میں سے انبیاءؑ غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔ غرض عبودیّت کا تقاضا یہی تھا کہ خدا کے مقابلے پر اپنے کم علم کی نفی کی جائے۔ کیونکہ انبیاءؑ کا علم بھی ذاتی نہیں ہوتا۔ خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔

اب اِس آیت کا مصداق سب سے زیادہ اِس آخری اُمّت کا عمل ہے جو اِس نے جناب رسولِ خداؐ کے بعد آلِ رسولؐ سے روا رکھا۔ ممکن ہے کہ آیت سے مراد اِس اُمّت کی تنبیہ ہو کہ دیکھنا اب تم رسولِ خداؐ کے بعد اہلِ بیتِ رسولؐ سے کیا سلوک کرتے ہو؟ (فصل الخطاب)

نتیجہ ۲: آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ "اللہ تمام چھپی ہوئی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔"

امام رازی نے لکھا ہے کہ "قرآن مجید کا اسلوبِ بیان ہی یہ ہے کہ وہ احکامات کو بیان کرنے کے بعد اپنی کسی صفت کو جو حکم سے متعلّق ہوتی ہے، بیان کرتا ہے، تاکہ ہمارا دل خدا کی اطاعت کی طرف راغب ہو۔" (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (۱۱۰) پھر اُس وقت کا تصوّر کرو کہ جب اللہ فرمائے گا
اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى کہ "اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! یاد کرو میری اُس
وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ نعمت کو جو میں نے تمھیں اور تمھاری ماں کو عطا
الْقُدُسِ ۭ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي کی تھی میں نے رُوحُ القُدُس کے ذریعے تمھاری
الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ مدد کی تم گہوارے میں بھی (اسی طرح) لوگوں سے
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ باتیں کرتے تھے (جس طرح) بڑی عمر میں میں نے
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ تمھیں کتاب، حکمت، تورات اور انجیل کی تعلیم
الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ دی تم میری اجازت سے مٹی کا پُتلا پرندے کی شکل کا
فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بناتے اور اُس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ
بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ بن جاتا تھا تم پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو میری
الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ اجازت سے اچھا کر دیتے تھے تم میری اجازت سے مُردوں
الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ کو (قبروں سے زندہ) نکالتے تھے پھر جب تم بنی اسرائیل
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لیکر پہنچے، تو اُن میں جو
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حق کے منکر تھے کہنے لگے کہ "یہ نشانیاں کھلے ہوئے
مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ جادو کے سوا کچھ بھی تو نہیں ہیں"۔ تو میں نے تم کو اُن سے بچا لیا۔

ضرورتِ معجزہ

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: "چونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادو کا زور تھا اس لیے اللہ نے اُن کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو جادوگروں کے بس سے باہر تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں طب کی ضرورت تھی پس اُن کو یہ معجزے عطا فرمائے اور جناب رسولِ خداؐ کے عہد میں خطابت کا چرچا تھا اس لیے آپؐ کو قرآن مجید عطا فرمایا۔"
(تفسیر بُرہان)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں کی طرف پیغام
اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبرؑ پر ایمان لاؤ۔ تو
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ اُنھوں نے کہا کہ: ہم ایمان لائے اور گواہ
رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى (۱۱۲) جب حواریوں نے کہا اے مریمؑ کے
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ بیٹے عیسیٰؑ! کیا آپ کا پالنے والا یہ قدرت
اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک
السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ خوان اُتار دے؟ تو (عیسیٰؑ نے) کہا: "اللہ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۱۲ سے ڈرو اگر تم اللہ کو مانتے ہو۔" [1]

حواریوں کی فرمائش پر مائدہ (دسترخوان) کا نزول اور اُن کا انجام۔

[1] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے فرمایا کہ "جناب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ "تم تیس ۳۰ دن روزے رکھو۔" جب وہ روزے رکھ چکے تو کہنے لگے کہ اگر ہم نے کسی آدمی کا کوئی کام کیا ہوتا تو وہ ہمیں کھانا کھلاتا۔ ہم نے روزے رکھے اور بھوکے مرے۔ اب آپؑ اللہ سے دعا کیجیے کہ ایک دسترخوان آسمان سے ہم پر اُتار دے۔ چنانچہ فرشتے ایک خوان لے کر آگئے جس میں سات بڑی بڑی روٹیاں تھیں اور سات رکابیاں تھیں۔ وہ سب کے سامنے رکھا گیا اور سب نے کھایا۔

پھر اُن سے کہدیا گیا کہ یہ خوان تمھارے لیے اُس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ تم اس میں خیانت

www.drhasanrizvi.org

نہ کرو گے اور کچھ اُٹھا کر نہ چھپاؤ گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو سزا دوں گا۔"
حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "پھر ایک دن بھی نہ گزرا کہ اُنھوں نے اُٹھایا بھی اور چھپایا بھی۔"
(تفسیر صافی صفحہ ۱۵۰ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ یہ دسترخوان چالیس دن تک اُترتا رہا۔ جب تک لوگ کھاتے رہتے بچھا رہتا، جب فارغ ہو جاتے تو بلند ہو جاتا۔ جب تک اُس کی پرچھائیں رہتی لوگ اسے دیکھتے رہتے، یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو جاتا۔ وہ ایک دن آتا تھا اور دوسرے دن نہ آتا تھا۔

پھر خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ یہ دسترخوان صرف محتاجوں اور فقیروں کے لیے مخصوص کر دو۔ امیروں کو نہ دو۔ یہ بات امیروں کو ناگوار گذری۔ اُنھوں نے شکایتیں کیں تو حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی کہ: "خدایا: اگر تُو انھیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں معاف کر دے تو بے شک تُو ہر چیز پر غالب ہے۔ اور گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا ہے۔" نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ آدمی جو رات کو اپنی اپنی عورتوں کے پاس سو رہے تھے صبح کو مسخ ہو کر سوّر (خنزیر) بن گئے۔ جو راستوں اور کوڑے کرکٹ پر دوڑتے پھرتے تھے گندگی کھاتے تھے۔ وہ لوگ اسی حالت میں تین دن زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے۔

نتیجہ: اِس آیت سے علّامہ طبرسیؒ نے یہ نتیجہ نکالا کہ کسی پیغمبرؑ یا کسی انسان سے روزی طلب کرنا شرک نہیں ہوتا۔ یہ آیت دلیل ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے رازق ہوتے ہیں۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "خدا تمام رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔" ثابت کرتا ہے کہ رازق اور بھی ہیں۔ خدا نے خود کو خیر الرّازقین فرمایا ہے۔ (یعنی بہترین روزی دینے والا خدا ہے۔)
(تبیان)

www.drhasanrizvi.org

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ۱۱۳

(۱۱۳) اُنھوں نے کہا: "ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اُس (خوان) سے کھانا کھائیں تاکہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آپؑ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے اور ہم اُس پر گواہ بن جائیں۔"

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۱۱۴

(۱۱۴) (اِس پر) مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ نے دُعا کی: "اے خدا! اے ہمارے پالنے والے! مالک! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دے۔ جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلے پچھلوں کے لیے "عید" قرار پائے۔ اور وہ تیری طرف کی ایک نشانی بھی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تُو تو رزق عطا کرنے والوں سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔

عیسائیوں کی ناشکری پر قہرِ خداوندی

عیسائیوں کی ناشکر گذاری یہ تھی کہ دسترخوان آتا تھا اور سب لوگ مل جُل کر کھانے کھاتے تھے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ مگر کچھ دن کے بعد مالدار لوگوں نے کہا کہ ہم غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اِس لیے ہمارے لیے الگ خوان آنا چاہیئے۔ اِس کفرِ نعمت پر خدا کا قہر جوش میں آیا اور دسترخوان اُترنا بند ہو گیا۔ اور ایسا کہنے والوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم) (اُن کو سوروں کی شکلوں میں مسخ کیا گیا تھا) - یہ زیادہ صحیح ہے۔

www.drhasanrizvi.org

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ (۱۱۵) اللہ نے جواب دیا: "بیشک میں اُسے تم پر اُتار
فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ دوں گا لیکن اب اِس کے بعد بھی جو تم میں سے
اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ حق سے انکار کی رَوِش اختیار کریگا، تو پھر
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۱۱۵ یقیناً میں اُس کو ایسی سخت سزا دوں گا جیسی
کائنات میں کسی کو بھی نہ دی گئی ہوگی۔"

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ (۱۱۶) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ کہے گا۔
ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! کیا تم نے لوگوں سے
وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ یہ کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو
قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ بھی خدا بنالو؟ تو وہ کہیں گے کہ: "ہر عیب سے
اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ پاک ہے تیری ذات، مجھے یہ حق ہی نہ تھا کہ میں
اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ وہ بات کہتا جو میرے لیے مناسب نہیں ہے۔ اگر
تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو آپ کو اُس کا
مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ ضرور علم ہوتا۔ آپ تو میرے دل تک کی بات کو
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ ۱۱۶ جانتے ہیں، جبکہ میں آپ کے ذاتی علم کو نہیں جانتا۔
یقیناً آپ تو تمام پوشیدہ حقیقتوں کو جاننے والے ہیں۔

(آیت ۱۱۶) یہ اس لیے پوچھا گیا کہ عیسائیوں نے گمان کیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے علاوہ معبود بنالو۔ خدا قیامت کے دن عیسائیوں کے سامنے یہ سوال حضرت عیسیٰؑ سے کریگا جس کا جواب حضرت عیسیٰؑ یہ دیں گے جو اوپر آیت میں مذکور ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۰ بحوالہ تفسیر قمی)

www.drhasanrizvi.org

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ (۱۱۷) میں نے تو اُن سے اِس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا
بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، کہ اللہ
رَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا کی بندگی کرو جو میرا بھی مالک اور پالنے
مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ والا ہے اور تمہارا بھی مالک اور پالنے
كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ والا ہے میں تو صرف اُسی وقت تک
وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ۱۱۷ اُن پر گواہ تھا جبتک کہ میں اُن میں تھا۔
جب آپ نے میری مدت پوری کردی[1] تو پھر آپ ہی اُن پر نگراں تھے اور آپ تو ہر چیز پر نگراں ہیں۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ

[1] فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ یعنی "پھر جب تُو نے مجھے (آسمان کی طرف) اُٹھالیا۔" یا۔ "پھر جب تُو نے میری مدت پوری کردی"۔ "تَوَفّٰی" کے اصل معنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے ہوتے ہیں۔ موت بھی وفات کی ایک قسم ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ: "اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت پوری طرح لے لیتا ہے اور جو نہیں مرتے اُن کو نیند کے وقت لے لیتا ہے"۔ (سورۃ ۳۹ الزمر آیت ۴۲) (تفسیر صافی ص ۱۵۰)

[2] حضرت عیسیٰؑ کا کمالِ ادب اور کمالِ عبدیت ملاحظہ فرمائیں کہ آپؑ نے پیغام توحید کو بھی اپنی طرف منسوب نہ فرمایا، بلکہ کہا: "میں نے تو وہی کہا تھا جو آپ نے حکم دیا تھا"۔ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ۱۱۸

(۱۱۸) اب اگر آپ انھیں سزا دیں تو بیشک وہ آپ ہی کے تو بندے ہیں اور اگر انھیں معاف فرما دیں، تو بلاشبہ آپ ہر چیز پر غالب اور گہری مصلحتوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک کام کرنے والے ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۱۱۹

(۱۱۹) تب خدا کہے گا: "یہ وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ پہنچائے گی اور اُن کے خوب خوب کام آئے گی۔ اُن کے لیے ایسے ایسے سرسبز و شاداب باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۲۰ ع ۱۶

(۱۲۰) اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

جس دن سچوں کو اُنکی سچائی فائدہ پہنچائیگی

(آیت ۱۱۹) حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ: "جب تمام خلائق کو محشور کیا جائے گا تو سب سے پہلے جناب رسولِ خداؐ کے نام ندا آئے گی اور

www.drhasanrizvi.org

حضورؐ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے پس عرش کے دائیں جانب قیام فرمائیں گے۔ پھر حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ حاضر ہوں گے اور آنحضرتؐ کے بائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد تمام اُمّتِ اسلامیہ حضرت امیرالمومنینؑ کے بائیں طرف کھڑی ہوگی۔ پھر باقی تمام انبیاءؑ کو اُن کی اُمّتوں کے ساتھ بُلایا جائیگا اور وہ عرش کے بائیں جانب قیام کریں گے۔ سب سے پہلے قلم سے، پھر لوح سے، پھر اسرافیلؑ سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔ حتّٰی کہ بنی آدمؑ میں سب سے پہلے جناب رسالتمآبؐ سے پوچھا جائے گا کہ "آپؐ کو جبرئیلؑ نے سب کچھ پہنچایا؟ آپؐ اقرار کریں گے، پھر سوال ہوگا کہ کیا آپؐ نے اپنی اُمّت تک میرا پیغام پہنچایا؟ آپؐ اقرار کریں گے۔ اور تمام ملائکہ اور اخیارِ اُمّت اس کی گواہی دیں گے۔"

پھر ارشادِ ربّ العزّت ہوگا: "کیا آپؐ نے اپنے بعد کے لیے اپنی اُمّت کا کوئی امام نصب کیا تھا جو آپؐ کے بعد میری حجّت اور خلق پر میرا خلیفہ ہو؟" تو آپؐ عرض کریں گے: ہاں اے پروردگار! میں نے اپنے بھائی، اپنے وزیر اور اپنے وصی علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنی اُمّت میں اپنا خلیفہ و جانشین مقرّر کیا تھا اور لوگوں کو اُس کی اطاعت کا بھی حکم دیا تھا۔ پس حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کو پروردگارِ عالم کا ارشاد ہوگا: "اے علیؑ! کیا تم کو خلافت دی گئی تھی اور جانشین مقرّر کیا گیا تھا، اور تم نے اپنے فرائض کو ادا کیا تھا۔؟" تو حضرت علیؑ عرض کریں گے: "بیشک اے پروردگار! مجھے جناب رسولِ خداؐ نے اپنا جانشین مقرّر فرمایا تھا لیکن اُمّت نے انکار کیا تھا اور میرے حق کو دبا لیا تھا اور دوسروں کو آگے بڑھا دیا تھا، میں نے جہاد بھی کیا تا اینکہ میں قتل کر دیا گیا۔" پھر سوال ہوگا کہ تم نے اپنے بعد کس کو حجّت مقرّر کیا تھا؟ تو آپؑ عرض کریں گے: حسنؑ کو۔ پھر تمام ائمہؑ سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔" اس آیت میں اسی دن کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ: "اُس دن سچّے لوگوں کو اُنکی سچّائی فائدہ دے گی اور وہ ہمیشہ ہی جنّت میں رہیں گے۔"[1]

([1] تفسیر صافی، تفسیر انوار النجف)

www.drhasanrizvi.org

اٰیَاتُھَا ۱۶۵ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ (مَکِّیَّۃٌ) ۶ رُکُوْعَاتُھَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے، جو سب کو فیض پہنچانے والا، مسلسل بیحد رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱

(۱) سب کی سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور روشنی اور اندھیرے قرار دیے۔ پھر بھی جنھوں نے حق کو نہیں مانا وہ دوسروں کو اپنے مالک اور پالنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اس آیت میں تین ۳ قسم کے لوگوں کی تردید ہے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "یہ آیت تین ۳ قسم کے لوگوں کی تردید کرتی ہے۔

(۱) جب خدا نے اس آیت میں فرمایا: "سب کی سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا" ان الفاظ نے دہریوں کے نظریات کو رد کر دیا، جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات کی ابتدا رد کرنیوالا

www.drhasanrizvi.org

کوئی نہیں۔ یہ کائنات (از خود) یونہی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ (۲) پھر جب اِس آیت میں فرمایا: "اور (خدا نے) روشنی اور اندھیرے قرار دیے" تو اِس سے مجوسیوں کی تردید ہوگئی، جو یہ کہتے ہیں کہ نور اور ظلمات (یعنی روشنی اور اندھیرے) دونوں ملکر عالم کے خالق بھی ہیں اور مدبّر بھی۔ (۳) پھر جب اِس آیت میں فرمایا: "جنھوں نے حق کو نہیں مانا وہ دوسروں کو اپنے پالنے والے مالک کے برابر قرار دیتے ہیں۔"

اِن الفاظ نے مشرکوں کو رد کر دیا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ بت ہمارے مالک ہیں۔"

(تفسیر صافی ص۱۵۱ بحوالہ احتجاج طبرسیؒ)

محققین نے لکھا کہ، "خدا نے نور (روشنی) کو تو واحد استعمال کیا اور ظلمات یعنی اندھیروں کو جمع استعمال کیا۔ یہ اِس لیے کہ دنیا میں باطل کی کثرت ہے اور حق کم ہے (جلالین) اِس سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا حقانیت کی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ باطل ہونے کی دلیل ہو۔ اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بس ایک راہ صحیح ہے اور اس کے سوا سب راہیں غلط ہیں (موضح القرآن) راہِ حق ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ دو نقطوں کے درمیان ٹیڑھے خطوط کئی ہوتے ہیں مگر خطِ مستقیم ایک ہی ہوتا ہے۔ "حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری ؎ بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی" (اقبال)

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کے لیے "خلق" یعنی پیدا کرنے کا لفظ استعمال کیا اور روشنی اور اندھیروں کے لیے "جعل" یعنی قرار دینے کا لفظ استعمال کیا اِس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان تو وجودی اور حقیقی چیزیں ہیں لیکن اندھیروں اور روشنی میں روشنی (نور) تو یقیناً وجودی چیز ہے لیکن اندھیرے عدمی چیز ہیں یعنی اس کا اصل کوئی وجود نہیں۔ وہ روشنی کے نہ ہونے کا نام ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ ۲ (۲) وہ خدا وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تمہارے لیے ایک مدت مقرر کردی۔ اور ایک اور بھی مدت ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ تو شک ہی میں پڑے ہوئے ہو۔ [۱]

وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ (۳) اور وہی آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی ہے۔ وہ تمہارے چھپے اور کھلے تمام حالات کو خوب خوب جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو کچھ کہ تم لوگ کیا کرتے ہو۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ ۴ (۴) اور ان کے پالنے والے مالک کی نشانیوں [۲] میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں ہے جو ان کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے اس سے منہ نہ موڑا ہو۔

---

۱ مقررہ مدت ؟

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا "ایک مقرر کیا ہوا وقت تو وہ ہے جسے اللہ نے حتمی طور پر طے فرما دیا ہے جو آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا مسمّی مدت (مقررہ مدت) وہ ہے جو آگے پیچھے ہو سکتا ہے جس میں بداء واقع ہو سکتا ہے۔ یعنی خدا موت کو آگے یا پیچھے کر دیتا ہے۔" (تفسیر قمی)

۲ خدا کی ان "نشانیوں" میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کی نشانیاں (آیات) آگئیں۔ ہر نشانی اس میں شامل ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

(۵) فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اِسی لئے اَب جو حق بات اُن کے پاس آئی تو اُسے بھی اُنھوں نے جھٹلایا۔ اَب بہت جلدی اُنھیں اُس بات کے متعلق خبریں پہنچ جائیں گی جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

(۶) اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

کیا اُنھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم اُن سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک و برباد کر چکے ہیں جن کا اُن کے اپنے زمانے میں بڑا دور دورہ رہا ہے؟ ہم نے اُن کو زمین میں وہ حکومت اور وہ اقتدار بخشا تھا جو تمھیں بھی نہیں بخشا۔ اُن پر تو ہم نے آسمان سے خوب خوب موسلا دھار بارشیں برسائی تھیں اور اُن کے (دیہر ولکے) نیچے نہریں بہا دی تھیں۔ پھر اُن کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے اُنھیں برباد کر ڈالا۔ اور اُن کی جگہ دوسری نسلوں اور قوموں کو اُٹھایا۔ [۱]

(آیت ۶) [۱] مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم سے پہلی قوموں مثلاً عاد و ثمود کو ہلاک کر دیا اور اُن کے بدلے میں تمھیں پیدا کر دیا اِسی طرح تمھارے گناہوں کی وجہ سے تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا اور دوسری قوموں کو تمھاری جگہ پیدا کر دیا جائے گا اور تمھارے ساتھ بھی بالکل وہی سلوک کیا جائے گا جو تم سے پہلوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔

(تفسیر صافی ص ۱۵۲)

www.drhasanrizvi.org

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۷

(۷) اور اگر ہم تم پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اُتار دیتے، اور وہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو بھی جن لوگوں نے ہمیشہ حق کا انکار ہی کیا ہے، وہ تو یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔[۱]

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ ۸

(۸) اور اُنھوں نے کہا کہ اِس نبیؐ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا؟ اگر ہم فرشتہ ہی اُتار دیتے تو پھر اُن کا فیصلہ ہی ہو جاتا، پھر اُنھیں کوئی مُہلت نہ دی جاتی۔[۲]

---

[۱] **نہ ماننے کے لاکھ بہانے** (آیت ۷) حق کے انکاریوں نے ایک بہانہ رسولؐ کو نہ ماننے کا یہ بھی بنایا کہ قرآن لکھا ہوا آسمان سے کیوں نہ اُترا؟ اگر لکھی لکھائی کتاب اُتر جاتی تو یہ کہہ دیتے کہ یہ سب جادو ہے، یا نظر بندی وغیرہ سے ہم کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔ (فصل الخطاب)

[۲] (آیت ۸) یوں تو رسولؐ پر فرشتے اُترتے ہی تھے مگر کافروں کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو خود اپنی آنکھوں سے فرشتے کو رسولؐ پر اُترتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اُتریں اور ہمیں رسولؐ کے سچے ہونے کی گواہی دیں تب ہم غور فرمائیں گے۔ (جلالین مجمع) مگر خدا کی سُنّت یہی رہی ہے کہ جب فرمائشی معجزے دکھائے جاتے ہیں اور پھر انکار کیا جاتا ہے تو فوراً عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے اور پھر مُہلت نہیں ملا کرتی۔ (تبیان۔ فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۹) نیز یہ کہ اگر ہم فرشتے کو بھی اُتارتے تو
وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۹۰ اُسے انسان ہی کی شکل میں اُتارتے۔ اور
اِس طرح اُنھیں پھر ایسا ہی شک کرنے کا موقع دیتے جیسے شک وہ اَب کر رہے ہیں۔

انبیاءؑ کو لباسِ بشری میں بھیجنا بھی مصلحتِ الٰہی ہے

خدا کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ: "اگر ہم فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجتے تو وہ بھی انسانی شکل ہی میں بھیجتے۔ کیونکہ اُس کا مقصد انسانوں کو ہدایت کرنا ہی تو ہوتا۔ فرشتے کا جسمِ لطیف تو انسان کو نظر ہی نہ آتا۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے جسمِ کثیف دیا جائے تاکہ وہ ہمیں دکھائی دے سکے۔ پھر یہ کافر یہ کہتے کہ فرشتے کو بھیجنے کا کیا فائدہ؟ بقول غالبؔ: "پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ؎ آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا۔"؟

غرض خدا کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھیجنا ہماری سنّت اور حکمت کے خلاف ہے۔ انسان کے لیے انسان ہی نمونۂ عمل بن سکتا ہے، فرشتہ نمونۂ عمل نہیں بن سکتا۔ نبیؐ کے بھیجنے کا مقصد نمونۂ عمل بھیجنا ہوتا ہے تاکہ اُس کی پیروی کی جا سکے ——— محققین نے نتیجہ نکالا کہ انبیاءِ کرامؑ اور ائمہ معصومینؑ حقیقت میں بشر یا انسان ہی ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ حقیقت میں فرشتے ہوں یا کوئی اور نوع کے افراد ہوں، صرف صورت انسانوں سے ملتی جلتی ہو۔ اِس لیے کہ جو حکمتِ الٰہی فرشتوں کو رسول بنانے سے روک رہی ہے، وہی حکمت، وہی مصلحت کسی دوسری جنس کو نبی یا امام بھیجنے سے روکے گی۔ حکمتِ الٰہی یہی ہے کہ نبی یا اُس کا وصی عام انسانوں کی جنس کا فرد ہو۔ ہاں اُس کے اوصاف، اوصافِ علم، فکر و عمل کا معیار اتنا بلند ہو کہ جو اُس کا امتیاز بن جائے۔ وہ وحی یا خاص قسم کا قوی اور واضح الہام وصول کرنے کا اہل ہو اور تمام انسانوں کے لیے نمونۂ عمل بن سکے۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ۱۰

(۱۰) اور آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کا مذاق اُڑایا گیا۔ تو جن لوگوں نے اُن کا مذاق اُڑایا تھا اُنھیں اُسی سزا نے آگھیرا جس کا کہ وہ مذاق اُڑاتے تھے۔ [1]

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۱۱

(۱۱) اُن سے کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر تو دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ [2]

انبیاء کا مذاق اُڑانا بدترین صفت ہے

[1] "پچھلے انبیاءؑ کا بھی اُن کی قوموں نے خوب خوب مذاق اُڑایا تھا۔" بائیبل میں ہے: "لیکن اُنھوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑا دیا۔" (۲۔ تواریخ ۳۰)

"اہل اللہ" کا مذاق اُڑانا کفر و نفاق، تکذیب و تحقیر سے بھی بدتر درجے کی بُرائی ہے کیونکہ یہ کبر و نخوت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ غیر محتاط شعراء اکثر اس جُرم کے مرتکب پائے گئے ہیں۔ مثلاً بقول غالب

"تُو آتشِ دوزخ سے ڈراتا ہے اُنھیں جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے"

ممکن ہے کہ یہ تمسخر کبر کا نتیجہ نہ ہو، مگر پھر بھی تمسخر کی قسم سے باہر نہیں ہے۔

[2] گذری ہوئی قوموں کے آثار اور اُن کے تاریخی افسانے گواہی دے رہے ہیں کہ صداقت اور حقیقت سے منھ موڑنے سے اور باطل پرستی پر اصرار کرنے کے نتیجے میں قوموں کو کیسے بھیانک اور عبرتناک انجام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے ہی عبرت حاصل ہوں گی۔ اُن کے انجام کو تماشے کی غرض سے نہ دیکھیں۔

www.drhasanrizvi.org

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ (۱۲)
الْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰى
نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ
اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲

ان سے پوچھو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ کس کا ہے ؟ کہو کہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اُس نے رحم و کرم کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ قیامت کے دن وہ یقیناً تم سب کو ضرور جمع کریگا۔ یہ بالکل ایک غیر مشتبہ حقیقت ہے۔ مگر جن لوگوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے وہ حق کو کبھی نہیں مانیں گے۔

اللہ نے رحمت کو اپنے لیے لازم کر لیا ہے

خدا نے رحم و کرم کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یعنی اُس نے اپنی ذات پر یہ بات لازمی قرار دے دی ہے کہ وہ (۱) اپنی معرفت کی طرف ہدایت کریگا (۲) اپنی توحید کا علم محکم بنیادوں پر عطا فرمائے گا۔ (۳) اپنی کتابیں اُتارے گا۔ انبیاء بھیجے گا۔ (۴) تمھیں اتنی مہلت عطا فرمائے گا کہ تم اپنے کفر، شرک، گناہوں سے معافی مانگ کر اصلاح کر لو۔ اور اپنے نیک اعمال سے اُن برائیوں کا تدارک کرسکو جو تم کرچکے ہو۔ یہ وہ مہربانیاں ہیں جو سارے کے سارے انسانوں پر محیط ہیں۔ (تابعداری کرنے والوں پر تو مہربانیوں کی کوئی انتہا ہی نہیں)

(تفسیر صافی صفحہ ۱۵۲، تفسیر تبیان)

مومنوں پر یہ مہربانی بھی ہے کہ اُن کی نیکیوں کی وجہ سے بھی اُن کے گناہ معاف کر دیگا اور خود اپنی رحمت اور اللہ والوں کی شفاعت کے سبب سے بھی اُن کو نجات عطا فرماتے گا۔

میں گنہگار، سیہ کار، خطا کار سہی مگر ۔۔ کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

www.drhasanrizvi.org

نتیجہ ۱ :۔ امام فخر الدین رازی نے **نتیجہ** نکالا کہ خدا کی ذاتی صفت تو رحمانیت اور رحیمیت ہی ہے۔ باقی رہا قہر و غضب، تو یہ صرف عادی مجرموں کے لیے ہوتا ہے۔ بُرا ہو مسیحی اہلِ قلم کا، کہ اُنھوں نے قرآن کے خدا کو ایک ڈراؤنا خدا بنا کر پیش کیا ہے۔ (تفسیر کبیر)

بیان کا یہ ایک لطیف انداز ہے کہ پہلے تو حکم ہوا کہ ان مشرکوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے بنایا ہے؟ اب کیونکہ عرب کے مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، پھر بھی وہ جواب دینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ جواب دینا اُن کے مشرکانہ عقائد پر بھاری ضرب ہوتا۔ اِس لیے وہ خاموش رہے تب حکم ہوا کہ اب تم خود ہی کہدو کہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ (تفہیم)

نتیجہ ۲ : آیت اپنے اطلاق سے اِس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ خدا کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اِس لیے خدا کا کوئی غضب بھی ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو جبکہ بے پناہ رحمتیں ایسی ہیں کہ جن میں ذرا غضب کو دخل نہیں۔ (تھانوی)

نتیجہ ۳ : آخر میں خدا کا فرمانا: "فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" یعنی "پھر بھی وہ ایمان نہ لائے" اِس میں حرف "ف" نے ثابت کر دیا کہ اُن کا ایمان نہ لانا اُن کی غفلت اور حق سے منھ موڑنے کی وجہ سے تھا۔ یا ہوا و ہوس کی پیروی اور باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے تھا۔
(بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ (۱۳) اور، رات کے اندھیرے اور دن
النَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۱۳ کی روشنی میں جو کچھ بھی کہ سکونت پذیر
ہے، سب کا سب اللہ ہی کا ہے، اور وہ
سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔

اللہ نے اپنی ہمہ گیری کا اعلان فرمایا ہے

" رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں جو کچھ سکونت پذیر ہے، وہ سب کا سب اللہ کا ہے۔" یہاں خدا نے " سکن " کا لفظ استعمال فرمایا، جو سُکون (سکونت) سے ہے۔ جو چیز حرکت کر سکتی ہے اگر وہ حرکت نہ کرے تو اُس کو سُکون کہتے ہیں۔ (تاج العروس - قاموس)

" سکن " کے معنی ٹھہرا، فروکش ہوا (ابن اعرابی)

ثعلب نے کہا کہ ساکن ہونے کا لفظ جانداروں کے لیے خاص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ٹھہرنے، رُکنے، بسنے کے ہیں۔ اور یہاں اس کے معنی پیدا کرنے کے بھی ہیں۔
(لغات القرآن نعمانی جلد ۳ ص ۲۲۱ و تفسیر صافی ص ۱۵۲)

نتیجہ:-

پہلی آیت میں " جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے۔؟ فرما کر اللہ کے اقتدار کی ہمہ گیری اور وسعت کو بتایا گیا۔ اور دوسری آیت میں یہ فرما کر کہ " رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں جو کچھ بھی کہ سکونت پذیر ہے، سب کا سب خدا کا ہے۔" خدا کی ہمہ گیری کو ظرفِ زمان میں بھی ثابت کر دیا۔ (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا (۱۴) کہو، پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر میں کسی اور
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ کو اپنا سرپرست بنالوں؟ اُس خدا کو
هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ چھوڑ کر جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے
اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ والا بھی اور جو روزی دیتا ہے مگر روزی
مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ لیتا نہیں؟ کہو کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۴ میں سب سے پہلے اُس (خدا) کے آگے اپنا سر اطاعت

کے ساتھ جھکا کر مسلم اوّل رہوں، اور (یہ کہ) تمھیں مشرکوں میں سے ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

آنحضرتؐ اوّلِ مخلوق اور مسلمِ اوّل ہیں

"فاطر" کے معنی مبدع، یعنی تخلیق کی ابتدا کرنے والا۔ (راغب از ابنِ عباسؓ)

یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اے مشرکو! جن کو تم خدا مان رہے ہو، اللہ اُن کا بھی خالق ہے اور اُنھیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے اور وہی ساری مخلوق کو رزق دینے والا ہے۔ اور کیونکہ پیغمبر اپنی اُمت کیلئے نمونہ اور پیشوا ہے، اِس لیئے وہ اہلِ ایمان کی ہر صفت میں سب سے آگے ہے، یہ اوّلیت قوم اور زمانے، دونوں اعتبار سے ہے۔ (قرطبی۔ بیضاوی)

لہ خدا کے سوا جتنے بھی خدائی کے دعویدار ہیں وہ لوگوں کو رزق تو کیا دے سکتے ہیں وہ تو خود لوگوں سے رزق پاتے ہیں۔ کوئی فرعون اُس وقت تک خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک لوگوں سے ٹیکس وصول نہ کرے۔ "مانگنے والا گدا ہے، شاہ مانگے یا فقیر" کوئی دیوتا

www.drhasanrizvi.org

اُس وقت تک دیوتا بن ہی نہیں سکتا جب تک لوگ اُس کا بُت بنا کر نہ سجائیں۔

غرض اللہ کے سوا سارے معبودانِ باطل خود انسانوں کے محتاج ہیں۔ صرف اللہ کی ذات ہی وہ ہے جو خود اپنے بَل پر قائم ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب ہر اعتبار سے اُس کے محتاج ہیں۔ (ماجدی)

غرض یہ بات کرنے کی ایک ادا ہوتی ہے کہ جس غلطی پر دوسروں کو تنبیہ کرنی ہو اُس غلطی کو خود اپنے اوپر رکھ کر کہدیا جائے تاکہ دوسروں کو ناگوار نہ ہو۔ اِس لیے کہا گیا: "کہو پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر میں کسی اور کو اپنا سرپرست بنالوں ؟" (فصل الخطاب)

رسولِ خداؐ کا یہ فرمانا کہ: "میں اوّل (درجے کا) مسلم ہوں" (انا اول من اسلم) اِس کے معنی اکثر مفسّرین "پہلا مسلم" قرار دیتے ہیں۔ یعنی اوّلیت زمانے کے اعتبار سے۔ اِس لیے وہ اس کا مطلب "سب سے پہلا مسلمان" بتاتے ہیں۔ (تفسیر تبیان)

نتیجہ ۱: کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ "سب سے پہلے رسولؐ کا نور خلق ہوا۔ وہی اوّل مخلوق بھی ہیں اور اوّل مسلم بھی۔ آدمؑ اور دیگر نبی اُن کے بعد خلق ہوئے۔

کیونکہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" خدا نے سب سے پہلے میرا نور خلق کیا۔ اور فرمایا: "اَنَا وَ عَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ" میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔" (حیات القلوب ۔ بحار الانوار)

نتیجہ ۲: آیت کے آخری الفاظ: "آپ کہدیجیے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اُس (خدا) کے آگے اپنا سرِ تسلیم و اطاعت جُھکا کر اوّل درجے کا فرماں بردار بنوں۔" اِن الفاظ سے نتیجہ نکلا کہ تکالیفِ شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں یہاں تک کہ انبیاءِ کرام سے بھی۔ (تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ (۱۵) رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۱۵

کہو اگر میں اپنے پالنے والے مالک کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے (ہی خوفناک) دن مجھے سزا بھگتنی پڑے۔ ۱

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ (۱۶) فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۱۶

وہ سزا کہ جو شخص اُس دن اُس سزا سے بچ گیا' تو اُس پر تو خدا نے بڑا ہی رحم فرمایا۔ اور یہی تو (حقیقی) کھلی ہوئی کامیابی ہے۔

(آیت ۱۵) محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا معصوم نبیؐ بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔

قیامت کو **روزِ عظیم** اُن عظیم واقعات کے لحاظ سے فرمایا ہے جو اُس دن واقع ہوں گے۔ کیونکہ وہ ابدی اور بہت بڑے فیصلے ہوں گے۔

(تفسیر روح المعانی)

*

(آیت ۱۶) خدا کا فرمانا کہ: "اور یہی' (حقیقی) کھلی ہوئی کامیابی ہے"

یعنی جہنم کی سزا سے بچ جانا ہی کامل نجات' رحمتِ الٰہی کا حصول اور کھلی ہوئی کامیابی ہے۔

(قرطبی - بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۷

(توحید کی حقیقت یہ ہے کہ) اور اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے، تو پھر اُس کے سوا کوئی بھی تو نہیں ہے جو تمہیں نقصان سے بچا سکے۔ اور اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

صرف اللہ پر اعتماد کرنا معرفت اور حقیقتِ توحید ہے

بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ اپنی قدرت سے اندھا دُھند کام نہیں کرتا، اِس لیئے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ (تفسیر تبیان)

اِس آیت میں توحید کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ "پیدا کرنا بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے اور ہر قسم کا فائدہ پہنچانا، نقصان پہنچانا، تکلیف دینا، آرام پہنچانا، تکالیف سے نجات دینا، اِس طرح کے سارے کے سارے اختیارات تمام تر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی خدا کے ارادے درمیان حائل نہیں ہو سکتا، اور نہ اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکتا ہے۔ اِس میں تمام چھوٹے بڑے خداؤں کی نفی آگئی۔ (قرطبی - ماجدی) (اگر اہل اللہ سے خدا کی اجازت سے شفاعت کرنے اور عطا کرنے والا سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔)

اِسی بنا پر عارفین نے سب سے زیادہ زور حقیقتِ توحید کو سمجھنے پر دیا ہے اور جو اِس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے وہ ہر چیز سے کٹ کر صرف اللہ پر اعتماد کرتا ہے۔ جو شخص دنیا اور آخرت کی سلامتی چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ خدا کی رضا پر صبر کرے، خدا پر اعتراض نہ کرے، اپنی تمام خواہشات کو صرف اللہ سے طلب کرے اور سب سے کٹ کر صرف اللہ سے خوشی اور کامیابی کی تمام توقعات وابستہ رکھے۔

www.drhasanrizvi.org

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۸ (۱۸) اور وہ اپنے بندوں پر پورے پورے اختیارات رکھتا ہے اور وہ حکیم (یعنی) تمام گہری مصلحتوں کا جاننے والا، بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا، اور تمام باتوں سے پوری پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ اپنی مکمّل حاکمیّت کا اعلان فرما رہا ہے

"قاھر" بمعنی مکمّل غلبے والا۔

رُبوبیّت اور حاکمیّت کے لیے جن جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ سب کی سب خدا کی ذات میں جمع ہیں۔ اب اِس سے بڑی حماقت کوئی تصوّر نہیں کی جا سکتی کہ ایسی کامل ذات کے ساتھ کسی کو شریک سمجھا جائے۔ کیونکہ خدا کی قدرت اور علم ہر اعتبار سے کامل ہے اور یہ صفات خدا کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ قدرت اور قوّت کے لحاظ سے خدا ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ "قھر" کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

خدا کا فرمانا کہ: "خدا اپنے بندوں پر پورے پورے اختیارات رکھتا ہے"۔ اِس میں خدا کی حکومت کی شدّت، قدرت اور بلندی کو بتایا جا رہا ہے۔ (قرطبی۔ تفسیر کبیر)

خدا فرماتا ہے کہ تمام بندوں پر غالب و قاہر صرف میں ہوں اور تمام اپنی مخلوق کی ہر حالت اور کیفیت سے ہر وقت مطّلع میں ہی ہوں اور میرا فیصلہ اور ہر کام حکمت ہی کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ (۱۹) (اُن سے) پوچھو کہ کونسی چیز گواہی میں سب سے
قُلِ اللّٰهُ ۙ۫ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بڑی (اہم) ہے؟ کہو میرے اور تمھارے
بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا درمیان اللہ گواہ ہے۔ اور یہ بھی کہ میری
الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ طرف قرآن کی وحی بھیجی گئی ہے تاکہ تمھیں
بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اور جس جس تک یہ (پیغام) پہنچے اُس کو
اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ متنبّہ کردوں۔ کیا واقعی تم اِس بات کی
قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا گواہی دے سکتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ خدا بھی ہیں؟ کہو کہ میں تو اِس بات کی
بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ہرگز گواہی نہیں دے سکتا۔ کہو کہ خدا تو بس
وہی ایک ہے، اور میں اُس شرک سے جو تم کرتے ہو قطعاً بے تعلق اور بیزار ہوں۔

وقف لازم باختلاف

"مَنْۢ بَلَغَ" سے اوّلین مراد ائمۂ اہلِ بیت ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

روایت ہے کہ "جس جس تک پیغام پہنچے" (مَنْۢ بَلَغَ) سے اوّلین مراد "آلِ محمدؐ" میں سے وہ ائمہؑ ہیں جو خدا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ وہ آنحضرتؐ کے بعد قرآن کے ذریعے لوگوں کو اُسی طرح اُن کے بُرے انجام سے ڈرائیں، سمجھائیں گے اور خدا کے احکامات پہنچائیں گے جس طرح خود آنحضرتؐ پہنچایا کرتے تھے۔" (تفسیر صافی صـ ۱۵۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان و کافی و تفسیر عیاشی)

پہلے فرمایا کہ "اُن سے پوچھو کہ کون سی "چیز" گواہی میں سب سے بڑی ہے"؟ پھر جواباً

www.drhasanrizvi.org

فرمایا: "اللہ گواہ ہے"۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی ذات کے لیے "شَیْءٌ" کا لفظ کہنا درست ہے۔ (تفسیر تبیان، تفسیر کبیر، روح المعانی)

نتیجہ ۱:۔ خدا کا فرمانا: "تاکہ تمھیں اور جس جس تک یہ پیغام پہنچے" بتاتا ہے کہ: جناب رسولِ خدا کی رسالت زمان و مکان کے اعتبار سے ہمہ گیر ہے۔ اُس کا دائرہ کسی جغرافیائی حدود میں مقیّد نہیں اور نہ کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مجمع البیان)

گواہی کے معنی اصل میں کسی چیز کی گواہی دینے کے لیے صرف قیاس یا گمان کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ اِس کے لیے علم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان گواہی دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ، کیا واقعی تمھیں علم ہے کہ اِس کائنات میں خدا کے سوا کوئی اور غالب طاقت حاکم ہے جو بندگی کی مستحق ہے؟ (تفہیم)

اللہ کے گواہ ہونے سے قرآن مجید کی گواہی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اِس لیے کہ قرآن خدا کا کلام اور خدا کا معجزہ ہے اور وہ اپنے کلام، زبان، تعلیمات غرض ہر اعتبار سے بے مثال ہے۔ نیز توحید پر جو قرآن نے دلائل پیش کیے ہیں وہ لاجواب اور بے مثال ہیں۔ (قرطبی)

نتیجہ ۲:۔

خدا کے اِس قول سے کہ "تاکہ تمہیں اور جس جس تک یہ پیغام پہنچے اُس کو متنبّہ کر دوں" (مَنْ بَلَغَ) سے محقّقین نے **نتیجہ** نکالا کہ قرآن صرف اپنے زمانے ہی کے لوگوں کو مخاطب نہیں کرتا، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر شخص کو مخاطب کرتا ہے۔ (معالم)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ (۲۰) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے
كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ وہ اس بات کو اس طرح پہچانتے
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے

ہیں۔ مگر جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال ہی دیا ہے، وہ اس بات کو ہرگز نہیں مانیں گے۔

یہودی اور عیسائی آنحضرتؐ کو رسولِ خداؐ کی حیثیت سے پہچاننے کے باوجود منکر ہو گئے

تفسیر صافی ص۱۵۳ میں ہے کہ یہودی اور عیسائی آنحضرتؐ کو اُن کے حلیے اور اُن علامات سے فوراً پہچان لیا کرتے تھے جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

اس لیے یہ آیت یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ خدا نے ان کو نہ صرف رسولِ خداؐ کی صفات بتادی تھیں بلکہ اُن کے اصحاب، مہاجرین و انصار کی خصوصیات تک بتادی تھیں۔ مگر اس کے باوجود "جب وہ آیا جس کو وہ پہچانتے تھے، تو انھوں نے اُس کا انکار کر دیا۔ پس ایسے انکار کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہو"۔ (قرآن) (تفسیر قمی)

اب خدا کا فرمانا کہ "وہ رسولؐ کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی نصرانی رسولِ خداؐ کی رسالت کو اچھی طرح سے جانتے پہچانتے تھے۔ اُن کی نبوت اور رسالت کو بھی خوب جانتے تھے۔ (قرطبی۔ تفسیر کبیر بقول حسن، قتادہ)

یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد قرآن ہو۔ یعنی وہ قرآن کی صداقت اور حقانیت کو خوب پہچانتے تھے۔ (روح المعانی، قرطبی) —

www.drhasanrizvi.org

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى (۲۱) اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا اللہ کی
بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ نشانیوں کو جھٹلائے۔ اس میں تو کوئی
الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۲۱ شک ہی نہیں ہے کہ جو ظالم ہوں، وہ
کسی بھی طرح کی حقیقی بھلائی یا کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

اللہ پر تہمت لگانے والا سب سے بڑا ظالم ہے

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا معیار اور ادب آداب اور نفسیاتی احتیاط کا انداز ملاحظہ فرمائیں کہ کھل کر نہیں فرمایا کہ تم ظالم ہو بلکہ اُن کے ضمیر کو جھنجوڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر میں رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرتا تو بیشک مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوتا۔ لیکن اگر میں سچا ہوں تو اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری تکذیب کرے۔ (فصل الخطاب)

خدا کی ساری انفس و آفاق کی نشانیاں ایک ہی حقیقتِ کبریٰ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ساری کائنات کا خالق و مالک پالنے والا صرف ایک ہے، اور باقی سب کے سب اُس کے ادنیٰ غلام اور محتاج ہیں۔ اب جو شخص کسی علمی دلیل کے بغیر صرف اپنے باپ دادا کے کہنے کی وجہ سے کسی ایسے کو جو خدا نہیں ہے، خدا بناتا ہے، تو اُس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ حقیقت اور صداقت پر ظلم کرتا ہے۔ وہ خود اپنے اوپر اور کائنات کی ہر اُس چیز پر ظلم کرتا ہے جو برملا ایک مالک پالنے والے معبودِ حقیقی کی گواہی دے رہی ہے۔

(تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ۲۲

(۲۲) جس دن ہم اُن سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کر دیں گے۔ پھر جنھوں نے شرک کیا تھا اُن سے پوچھیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم اپنا خدا سمجھتے تھے۔؟

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ ۲۳

(۲۳) تو پھر اُن کے پاس نہ تو کوئی شرارت اور نہ کوئی عذر باقی رہے گا۔ سوا اِس کے وہ یہ کہیں کہ خدا کی قسم اے ہمارے مالک! ہم تو مُشرک نہیں تھے۔ ط

وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم وِلاءِ علیؑ میں شرک کرتے تھے ط

" وَاللهِ رَبِّنَا " تفسیرِ بُرہان میں صادقین علیہما السّلام سے مروی ہے کہ وہ قسم اُٹھا کر کہیں گے کہ ہم وِلاءِ علیؑ میں شرک نہیں کرتے تھے"۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے عرض کی، کہ مجھے قرآن میں شک ہے۔ آپؑ نے پوچھا: وہ کیسے؟ عرض کیا کہ ایک جگہ ارشادِ قدرت ہے کہ " اُس دن رُو بہ رُو فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی نہ بول سکے گا مگر وہ جس کو رحمٰن کی اجازت ہوگی اور درست بولے گا"۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ " جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے"۔ پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ " بعض

www.drhasanrizvi.org

بعض کا کفر کریں گے اور ایکدوسرے پر لعنت کریں گے"۔ اور پھر فرمایا کہ "حکم ہوگا کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو"۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے کہ: "ہم اُن کے مُنھ پر مُہر لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ بولیں گے اور پاؤں گواہی دیں گے"۔

اب آپ ہی بتایئے حقیقت کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: "وہ پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا، اور اُس میں کئی موقف ہوں گے۔ ایک موقف پر مومن ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور باہم خوشی سے ملیں گے اور گنہگار جنھوں نے دنیا میں ایک دوسرے کی ظلم و عدوان پر مدد کی تھی وہ ایکدوسرے پر لعنت ملامت کریں گے۔ اس کے بعد دوسرا موقف ہوگا جہاں نفسی نفسی کی پکار ہوگی اور بھائی اپنے بھائی سے، ماں باپ اپنی اولاد سے اور اولاد اپنے والدین سے، اور زوجہ اپنے شوہر سے بیزار ہوں گے۔

پھر تیسرا موقف وہ ہوگا جہاں لوگوں پر گریہ طاری ہوگا اور خون روئیں گے، اگر اہلِ دنیا وہ آوازیں سنتے تو مدہوش ہو جاتے۔ پھر چوتھا موقف وہ ہوگا جہاں لوگ سامنے کے عذاب کا مشاہدہ کرکے اپنے گناہوں کا انکار کردیں گے، اُس وقت اُن کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ بولیں گے اور پاؤں اور چمڑے اُن کے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے، پھر جب زبانوں سے مہر اُٹھے گی تو پوچھیں گے اپنے اعضاء سے کہ تم نے کیوں گواہی دی؟ تو جواب دیں گے کہ ہم کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی تو ہم نے سچ بات بیان کردی۔ پھر پانچواں موقف وہ آئیگا جہاں سوائے اذنِ پروردگار کے اور کوئی نہ بول سکے گا۔ پھر چھٹا موقف آئیگا کہ جہاں لوگ ایکدوسرے سے جھگڑا کریں گے اور اپنے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور اُن کا فیصلہ ہوگا اور حساب ہوگا اور حساب کے بعد ہر ایک اپنے ٹھکانے لگ جائے گا"۔ ایک اور حدیث میں آپؑ نے فرمایا کہ تہتّر فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو ہمارے ساتھ محبت کریگا اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کریگا کیونکہ ہم قرآن کے ساتھ اور قرآن ہمارے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے قیامت تک جُدا نہ ہوں گے۔ اور باقی بہتّر فرقے ابلیس اور اُس کے ساتھیوں کے پیرو ہیں اور وہ محشر کے روز کہنے والے ہوں گے کہ قسم ہے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔ (برہان۔ بحوالہ انوار النجف ص ۱۹۹ ج ۲)

www.drhasanrizvi.org

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (۲۴) اب دیکھ لو کہ وہ کس کس طرح
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۲۴ اپنے واسطے جھوٹ باندھنے لگے، مگر
وہاں اُن کے سارے جھوٹ اُن سے گم ہو گئے۔

صرف خدا کو ماننا اُن کو فائدہ نہ دیگا

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"یہ اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جو دُنیا میں بظاہر توحید کے قائل تھے۔ مگر صرف خدا کو ماننا اُن کو کچھ فائدہ نہ پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ رسولوں کے مخالف تھے اور رسولوں کے پیغامات پر شک کرتے تھے اور انبیاءؑ کے اوصیاء (ائمہؑ) کے بارے میں جو عہد رسولوں نے اُن سے لیا تھا اُس کو توڑتے رہتے تھے۔" اور اچھی چیزوں کو گھٹیا چیزوں سے بدلتے رہتے تھے۔ اِسی لیے خدا نے اُن کے ایمان لانے کے جھوٹے وعدے کو جھوٹ قرار دیا۔" (تفسیر صافی صـ۱۵۳ بحوالہ احتجاج طبرسیؒ)

اِس آیت میں ایسے لوگوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ وہ باطل اُمیدیں دلوں میں پالے ہوئے تھے اور وہ اُمیدیں عین قیامت کے دن اُنھیں کیسا جواب دے گئیں اور اُن کے جھوٹے خدا اور سفارشی اُن کے کچھ کام نہ آئے۔ (ماجدی)

ع "جھوٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا۔"

www.drhasanrizvi.org

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَ (۲۵) جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۵

اور اُن میں سے ایسے بھی ہیں کہ جو آپؐ کی بات بڑے غور سے سنتے ہیں، مگر ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں[۱] اسی لیے وہ اُسے سمجھتے نہیں۔ اور اُن کے کانوں پر بھاری پن یا گرانی پڑی ہوئی ہے وہ چاہے کوئی بھی نشانی دیکھ لیں، اُس کو مانیں گے نہیں۔ یہاں تک کہ وہ جب آپؐ کے پاس جھگڑتے (بحث کرتے) ہوئے آئیں گے، تو بھی یہ حق کے اِنکاری بس یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اگلے لوگوں کے قصّوں کے سِوا کچھ بھی تو نہیں۔

اللہ نے ہر چیز کو اُس کی فطرت پر پیدا کیا ہے

[۱] خدا کا یہ فرمانا کہ: "ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں"، تو قانونِ فطرت کے تحت جو کچھ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے، اُسے اللہ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیونکہ قانونِ فطرت کا خالق یا بنانے والا خدا ہی ہے اب جو نتائج اِس قانون کے تحت رونما ہوتے ہیں، وہ حقیقتاً خدا کے اذن کی اجازت اور ارادہ ہی سے رونما ہوتے ہیں۔ اب جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق بات کو نہیں سُنتے تو پھر قانونِ فطرت یہ ہے کہ اُن کے دل و دماغ کے دروازے بند ہونا شروع ہو جاتے

www.drhasanrizvi.org

ہیں۔ اِس لیے کہ خدا کی توفیقات اُن سے ہٹالی جاتی ہیں۔ اِس بات کو خدا اِس طرح فرماتا ہے کہ: "ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔" کیونکہ ہم صرف واقعہ بیان کرتے ہیں اور اللہ حقیقتِ واقعہ بیان فرماتا ہے۔ (تفہیم)

دوسری بات جو اِس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ: "جب کوئی نبی پیغام لاتا ہے تو منکرین کہتے ہیں کہ یہ تو سب وہی پُرانی باتیں ہیں"۔ گویا اِن احمقوں کا نظریہ یہ ہے کہ کسی بات کے حق ہونے کے لیے نیا ہونا ضروری ہے۔ اور جو بات پُرانی ہے وہ سچ ہے۔ حالانکہ سچ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔ (تفہیم)

بقول ڈاکٹر اقبالؔ: ؎ حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اگر سچّی باتوں کو اس پکّے ارادے سے سُنا جائے کہ سچ کو قبول نہ کروں گا، تو ایسا سُننا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

یہ بیان ایسے ہی منکرینِ حق کی حق دشمنی کا ہے کہ کوئی دلیل اُنھیں حق کے قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ (تفسیر کبیر بقول ابنِ عباس رضؓ)

اِسی لیے وہ رسولؐ سے بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے کے لیے آتے تھے حق سُننے یا سمجھنے کے لیے آتے ہی نہ تھے اور قرآن جیسی عظیم کتاب کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ اُن کی حق دشمنی کی انتہا تھی کہ وہ قرآن جیسی عظیم کتاب کو پچھلے، پُرانے قصّے کہانیاں کہہ کر ٹال دیتے اور اُس پر غور نہ کرتے تھے (کشاف - قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ ۲۶

(۲۶) اور یہ لوگ دوسروں کو بھی اس (قرآن کے سننے) سے روکتے ہیں اور خود تو الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے آپ ہی کو تباہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہی نہیں۔

اس آیت کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں

اس آیت مجیدہ کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو جناب رسولِ خداؐ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی اُن سے دُور رہتے ہیں۔

(۲) وہ لوگوں کو قرآن کے سُننے سے روکتے ہیں اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں۔

(۳) وہ لوگوں کو جناب رسولِ خداؐ کی ایذا رسانی سے روکتے ہیں لیکن خود اُن پر ایمان نہیں لاتے۔ (انوار النجف صفحہ)

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھیں لوگوں کا ذکر ہے جن کے تاریک کردار کا پہلے سے ذکر ہو رہا ہے۔ وہی لوگ دوسروں کو رسولِ اکرمؐ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی رسولِ خداؐ سے دُور رہتے ہیں۔ مگر اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں جو روایات میں بیان ہوئے ہیں کہ "کچھ بنی ہاشم کے لوگ خاندانی حمیّت کی وجہ سے رسولؐ کی حفاظت کرتے تھے۔ گویا رسولؐ کو دشمنوں کی تکلیفوں سے بچاتے تھے۔ مگر خود رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

"نہج البلاغہ" میں حضرت علیؑ کے ایک خطبے سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے اس طرح دونوں مطلب درست ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ (۲۷) کاش تم دیکھو جب وہ جہنّم کی
فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ آگ کے اوپر کھڑے کیے جائیں گے۔
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۰ ۲۷ تب وہ کہیں گے کہ کاش ہم (دنیا کیطرف)
پلٹا دیے جاتے اور پھر اپنے پالنے والے مالک
کی نشانیوں کو نہ جھٹلاتے اور ماننے والوں
میں ہو جاتے۔

روزِ قیامت مخالفینِ دین کی حالت

شاہ عبدالقادر صاحب نے خوب لکھا

"یعنی دوزخ کے کنارے پہنچ کر حکم ہوگا کہ ٹھہراؤ، تو کافروں کو توقع پڑے گی کہ شاید ہم کو پھر دنیا میں بھیجیں، تو اب کی بار کفر نہ کریں (گے) اور ایمان لاویں (گے)۔ سو اللہ فرماتا ہے کہ اس واسطے اُن کو نہیں ٹھیرایا، بلکہ اِس تدبیر سے اُن کے منھ سے اقرار کرا لیا کہ ہم نے کفر (انکارِ حق) کیا تھا۔ (موضح القرآن)

علّامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ "یہ معنی ہی نہیں کہ وہ کھڑے کیے جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ جہنّم میں داخل کر دیے جائیں گے۔ کیونکہ "وُقِفُوْا" کے معنی کھڑا کیے جانے کے نہیں، بلکہ واقف کیے جانے کے ہیں۔ یعنی وہ جہنّم میں جا کر جہنّم سے واقف ہو جائیں گے۔" (مجمع البیان)

عربی اسلوب میں ایسے موقعے پر "یعنی کاشی" کا جواب محذوف کرنے سے بیان کی عظمت اور اہمیّت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔
(قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ۲۸ (۲۸) بلکہ اَب اُن پر وہ سب کچھ ظاہر ہوگیا جو وہ پہلے چھپاتے تھے۔ (لیکن اگر) اب بھی وہ پلٹا دیے جائیں، تو پھر وہی کریں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا ہے (کیونکہ) وہ تو ہیں ہی بڑے جھوٹے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ۲۹ (۲۹) اور وہ کہا کرتے تھے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے وہ تو بس یہی دُنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے بعد ہرگز بھی نہ اُٹھائے جائیں گے۔

روزِ قیامت بُرے اعمال کی شکل

(آیت ۲۸) یعنی مرنے کے بعد اور قیامت کے دن تمام اچھے بُرے اعمال کی اصل شکل دکھائی دے گی۔ بُرے اعمال کی اصل شکل نہایت خوفناک، سخت بھیانک ہوگی۔ اِس لیے کہ موت اور قیامت کشفِ حقائق کا نام ہے۔ اِس لیے بُرے لوگوں کے بُرے اعمال جو دنیا میں چھپے رہے تھے اب اُنھیں علانیہ بے نقاب نظر آنے لگیں گے، وہ بھی اپنی اصلی بدنما شکل میں۔ (کشّاف۔ تفسیر کبیر)

(آیت ۲۹) یہ عام دہریوں کا عقیدہ ہے جو ہر دور میں خدا اور آخرت کا انکار کرتے رہے ہیں۔ اور اگر زبان سے اعلان نہیں کرتے تو اپنے اعمال سے اِس عقیدے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر آخرت سے دنیا میں پلٹا بھی دیے جائیں تو بھی یہ دنیا میں آکر وہی کچھ کہیں گے جو اب تک کہتے آئے تھے کہ بس جو کچھ ہے یہی دُنیا ہے۔ اِس سے آگے کچھ نہیں "بابر بہ عیش کوش کہ ایں عالم دوبارہ نیست"۔

www.drhasanrizvi.org

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى (۳۰) کاش تم وہ منظر دیکھ لو جب یہ اپنے
رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا مالک کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔
بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ اُس وقت اُن کا مالک (خدا) اُن سے پوچھے
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ گا: کیا یہ (جہنم اور قیامت) حقیقت نہیں؟
تَكْفُرُوْنَ ۝ ۳۰ وہ کہیں گے: "ہاں ہمارے مالک! یہ حقیقت ہے"
تو خدا فرمائیگا: "تو اب حق سے انکار کرنے
کی سزا کا مزہ بھی چکھ لو۔"

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ (۳۱) (غرض) بڑا ہی نقصان اُٹھایا اُنھوں نے جو
اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ اللہ سے اپنی ملاقات کو جھٹلاتے تھے یہاں تک
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا کہ جب اچانک وہ وقت آجائیگا تو وہ کہیں گے
عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ ہائے افسوس! ہم نے اِس معاملے میں کتنی
يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى سخت کوتاہی اور غلطی کی۔ اب تو اُن کا حال یہ
ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ۳۱ ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر
اُٹھا رہے ہوں گے۔ کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو وہ اب اُٹھا رہے ہیں۔ ۱

آخرت کو جھٹلانے پر کمالِ ندامت

(آیت ۳۱) ۱
"آخرت کے معاملے میں سخت کوتاہی کرنے" کے
معنی یہ ہیں کہ: "نہ تو ہم نے ابدی حقیقتوں کو دل سے مانا تھا اور نہ وہ کام کیے جو آج ہمارے کام

www.drhasanrizvi.org

آتے، اور نہ فرائضِ الٰہی کو ادا کیا، اور نہ برائیوں سے رُکے۔ (تفسیر تبیان، کشّاف)

یاد رہے کہ آخرت میں اعمال اور عقائد مادّی چیزوں کی طرح باوزن ہوں گے اور شکل اختیار کرلیں گے۔ (ماجدی)

"السّاعۃ" (وقتِ ملاقات) سے قیامت کا دن بھی مراد ہے، اور موت کا وقت بھی۔ کیونکہ موت مقدماتِ قیامت میں سے ہے۔ اِس لیے بھی موت مراد ہوسکتی ہے۔ "مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَ قِیَامَتُہٗ" "جو مرگیا اُس کی قیامت قائم ہوگئی" اور اللہ سے ملاقات سے اعمال کی جزا ملنے کا وقت مراد ہے۔ (کشّاف۔ روح، قرطبی)

آیت کا اندازِ بیان شدّت کے ساتھ افسوس کرنے کا ہے۔ جس میں سخت ندامت، حسرت، اور بے چینی کی کیفیت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر، قرطبی)

"اَوْزَار" کے معنی گناہ ہیں جن کا بوجھ وہ اپنی پیٹھوں پر اُٹھا رہے ہوں گے۔

(قرطبی، ابنِ جریر، تفسیر کبیر بقول ابنِ عباسؓ)

رہا یہ سوال کہ گناہ غیر مادّی چیزیں ہیں وہ پیٹھ پر کیسے لدے ہوں گے؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں یہ بات محض عربی محاورے کی زبان میں فرمائی گئی ہے۔ (قرطبی)

لیکن اس کے ماننے میں کونسی دشواری ہے کہ آخرت میں مجرّد اور غیر مادّی چیزیں شاید مادّی شکل اختیار کرلیں اور باوزن ہوجائیں یعنی اعمال جسم کی شکل اختیار کرلیں۔ بہت سے اہلِ سنّت کے مفسّرین تجسیمِ اعمال کے قائل ہیں۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقی معنی لیے جاسکتے ہیں تو پھر مجازی معنی کیوں لیے جائیں۔

(تفسیر روح المعانی، بحر)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ (۳۲) دُنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل تماشا ہے
لَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ اور حقیقت میں آخرت کا گھر تو اُن کے لیے
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۳۲ جو نقصان سے بچنا چاہتے ہیں، کہیں بہتر ہے
تو کیا تم کبھی عقل سے کام ہی نہ لوگے ؟

حیاتِ دُنیا مثل کھیل تماشے کے ناپائیدار و عارضی ہے

دُنیا کی زندگی کو کھیل تماشا کہنے کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ اس زندگی کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی اور پائیدار زندگی کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی بس ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کچھ دیر کھیل تفریح سے دل بہلائے اور پھر اپنے اصلی کام یا کاروبار کی طرف واپس چلا جائے۔

نیز دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا اِس لیے بھی کہا گیا ہے کہ دُنیا میں غافل لوگ دُنیا کی لذّتوں ہی کو زندگی کا حاصل سمجھ لیتے ہیں اور آخرت کو بُھلا بیٹھتے ہیں۔ اِس قسم کی زندگی کھیل تماشا بن کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً اگر ڈرامے یا تھیٹر میں کوئی شخص بادشاہ بنا ہوا ہو تو وہ حقیقتاً بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ حقیقتاً بادشاہی کی تو اُس کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ دُنیا کے بادشاہ، دانشمند، امیر کبیر، اسی طرح کا تماشا ہیں۔ اصل حقیقت، اصل دولت ایمان اور عملِ صالح کے سوا کچھ نہیں۔ (تفہیم)

اصل میں جس دنیا کی مذمّت کی جارہی ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذّات ہو جائے جیسی کہ ملحدوں، کافروں، دہریوں اور مادّہ پرستوں کو ہوتی ہے۔ (قرطبی، تفسیر کبیر)

مومن کی زندگی آخرت کی تیاری کے لیے ہوتی ہے اِس لیے مومن کی دُنیاوی زندگی قابلِ مذمّت نہیں۔ وہ تو عین مطلوب ہے۔ (کشّاف - قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۳۳

(۳۳) جو باتیں وہ لوگ بناتے ہیں وہ سب ہمیں معلوم ہیں اور یہ بھی کہ تمہیں اُن سے رنج پہنچتا ہے لیکن حقیقتاً وہ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم تو اصل میں اللہ کی نشانیوں کا جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔

رسولِ خداؐ کی تکذیب گویا خدا کی تکذیب ہے

حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کی قسم کافروں نے رسولِ اکرمؐ کو جھٹلانے میں بڑی ہی سختی اور شدت سے کام لیا، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی غلط بات ایسی پیش نہ کرسکیں گے کہ جس سے تمہاری (یعنی رسولِ اکرمؐ کی) سچی باتیں جھوٹ ثابت ہوسکیں۔" (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۲ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "یعنی کافر کوئی ایسا حق نہ لاسکیں گے کہ جس سے تمہارا (مراد رسولِ اکرمؐ کا) حق باطل کرسکیں۔" (تفسیر قمی)

یعنی اُن کی سچی باتوں کو جھوٹا ثابت کرسکیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "یعنی وہ رسولِ اکرمؐ کے قول کو باطل کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔" (تفسیر عیاشی) محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ بلند انسانوں کیلئے تلوار، خنجر وغیرہ اتنی تکلیف نہیں پہنچاتے جتنی جاہلوں کی بدتمیزیاں تکلیف پہنچاتی ہیں، اسی لیے ارشاد ہوا کہ آپؐ کو جو صدمہ اُن احمقوں کی باتوں سے ہوتا ہے وہ بالکل فطری ہے، مگر حقیقتاً یہ لوگ آپؐ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ تو خدا کو جھوٹا سمجھ رہے ہیں (معاذ اللہ) اس لیے کہ وہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ۝ ۳۴

(۳۴) اور تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، مگر انھوں نے اپنی تکذیب پر اور اُن تکلیفوں پر جو اُن کو دی گئیں، صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد اُن کے پاس آن پہنچی۔ اللہ کے قانون کبھی بدلا نہیں کرتے۔ اور تم کو چند پیغمبروں کی خبریں تو پہنچ ہی چکی ہیں۔

"ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"[۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ: "تمھیں ہر معاملے میں صبر سے کام لینا اور نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ رسولِ اکرمؐ نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آنحضرتؐ پر ہڈیاں پھینکیں جس سے آپؐ کا سینہ (دل) تنگ ہوا، جس پر خدا نے پہلے تو یہ فرمایا: "حقیقت ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اِسی وجہ سے تمہارا سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ پس آپؐ اپنے پالنے والے مالک کی پاکی بیان کرتے رہیں۔ (تسبیح پڑھتے رہیں) اور سجدے (شکر ادا) کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔" لوگوں نے پھر تکذیب کی تو آپؐ کا دل تنگ ہوا۔ اِس پر خدا نے یہ دوسری آیت اُتاری۔ اِسی لیے آنحضرتؐ نے صبر کرنا اپنے اوپر لازم قرار دے لیا۔ (تفسیر صافی ص۱۵۲ بحوالہ کافی)

خدا کی سنّت ہی یہ ہے کہ وہ پہلے ظالموں کو خوب گُل کھلانے، کھلِ کھلانے، کھیل کود دکھانے کا موقع دیتا ہے اور انبیاءؑ کو صبر و برداشت کا حکم دیتا ہے۔ پھر آخر میں اپنے انبیاء کی مدد کرتا ہے اور اِس طرح ظالموں کو اُن کے منطقی انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ (۳۵) اور اگر تم سے اُن کی بے رُخی برداشت
فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا ہی نہیں ہوتی تو پھر تم زمین میں گھس کر کوئی
فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ سُرنگ ڈھونڈ نکالو، یا پھر آسمان پر کوئی
فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ سیڑھی لگا سکو تو لگا لو۔ اور اس طرح اُن کے
اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى پاس کوئی معجزہ لے آؤ۔ اگر اللہ چاہتا تو اُن
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۳۵ سب کو سیدھے راستے پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا نادان

نہ بنو۔

آنحضرتؐ کی خواہش تو یہ تھی ؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوالائمہ امام الامام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ حضورِ اکرم سرکارِ دو عالم چاہتے تھے کہ قریش کا سردار حرث (حارث) بن عامر بن نوفل بن عبدِ مناف اسلام قبول کر لے۔ آپؐ نے اُسے دعوت دی اور بہت کوشش بھی کی، مگر وہ نہ مانا (ایمان نہ لایا) آنحضرتؐ کو یہ بات بہت گراں گذری پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص۱۵۲ بحوالہ تفسیر قمی)

محققین نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ آیت میں اِس بات کا اظہار بھی ہے کہ "رسولؐ" کی شفقت کافروں اور منکروں پر کتنی زیادہ تھی کہ آپؐ کے اختیار میں ہوتا تو آپؐ اُن کو ہر فرمائشی معجزہ دکھانے کو تیار تھے تاکہ کسی طرح وہ نجات پا جائیں۔ (کشاف)

مگر ایسی ہدایت جبری ہدایت کے ذیل میں آتی ہے جو مشیتِ الٰہی کے منافی ہے۔ (تفسیر کبیر)

بقول شاعر:۔ "دوستاں را کُجا کُنی محروم ∴ تو کہ بر دشمناں نظر داری"

www.drhasanrizvi.org

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ط (۳۶) حق بات تو بس وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سُنتے ہیں۔ رہے مُردے تو اُن کو تو جب خدا (قبروں سے) اُٹھائے گا، تب کہیں وہ اُس کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۶

بے بصیرت (مُردہ دل) لوگ ایمان نہیں لاتے

مطلب یہ ہے کہ: "اے رسولؐ! آپؐ کا کام زندہ لوگوں کو سمجھانا ہے، بے حس مُردہ جسموں کو تھوڑی آپؐ سمجھا سکتے ہیں۔ مُردوں کو زندہ کرنا تو خدا کا کام ہے جو وہ قیامت میں انجام دے گا۔ منکرینِ حق کی بے حسی کی وجہ سے اُن کو مردہ جسم فرمایا ہے۔

غور سے نہ سُننے اور فائدہ نہ اُٹھانے کی وجہ سے کافروں کو مُردہ جسموں سے تشبیہ دی گئی ہے (تفسیر مجمع البیان)

ورنہ اگر وہ واقعاً مُردہ جسم ہوتے تو اُن پر نہ سننے کا جرم کیسے عائد ہوتا؟ (فصل الخطاب)

آیت میں سُننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر زندہ اور عقلیں سلامت ہیں، جو عقلوں کو معطّل کر کے بند نہیں رکھتے، بلکہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ دلوں پر تکبّر اور جمود کے قُفل نہیں چڑھا لیتے۔ اُن کے مقابلے پر مردہ جسم وہ ہیں جو لکیر کے فقیر بنے اندھوں کی طرح چلے چلے جا رہے ہیں۔ اُس لکیر سے ہٹکر کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں، چاہے وہ حق کی آواز ہی کیوں نہ ہو۔ (تفہیم)

محققین نے لکھا کہ "قبولِ حق کی پہلی اور بنیادی شرط ہی یہ ہے کہ حق کو بلا عناد، بلا قصدِ مخالفت برائے مخالفت، خالی ذہن کے ساتھ سُنا جائے، تب کہیں حق بات اثر کرتی ہے۔ اِس لیے عقل و فہم کے ساتھ حق کو سُننا ضروری ہے۔ (قرطبی۔ روح المعانی)

www.drhasanrizvi.org

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ (۳۷) اور وہ کہتے ہیں کہ اس نبیؐ پر آخر کوئی
اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ معجزہ کیوں نہیں اُترتا؟ کہہ دیجیے کہ بیشک
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ اللہ تو کسی بھی معجزے کو اُتارنے پر قادر ہے۔
لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ مگر اُن میں کے اکثر کچھ بھی تو نہیں جانتے۔

ایمان نہ لانے کا یہ بھی اِک بہانہ تراشا ہے

معجزات تو رسولؐ کے ہاتھوں پر ہوا ہی کرتے تھے مگر کفار اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہی رٹ لگائے رہتے تھے کہ آخر کوئی اور معجزہ کیوں نہیں آتا۔ گویا معجزہ کیا ہوا بچوں کا کھیل ہو گیا۔ (تفسیر تبیان)

لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی معجزہ اُن کے پاس آجائے گا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں گے، تو فوراً ہلاک کر دیے جائیں گے۔ (تفسیر صافی ص۱۵۴ بحوالہ تفسیر قمی)

جواباً کہا گیا کہ خدا کا ہر کام حکمت اور مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے۔ وہ احمقوں کی فرمائشوں کا پابند نہیں۔ (فصل الخطاب)

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر معجزات آگئے اور پھر اُنھوں نے نہ مانا تو عذاب کے آنے میں کچھ دیر نہ لگے گی۔ اِس مطلب کی تائید قرآن کی اور بہت سی آیتوں سے ہوتی ہے۔ (تفسیر مسلی بن ابراہیم)

ایسے فرمائشی معجزوں کے طلب کرنے والوں پر انجیل میں بھی سخت لتاڑ کی گئی ہے:

"اگر اس زمانے کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان (معجزہ) طلب کرتے ہیں" (متی: ۱۶: ۴)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اِس زمانے کے لوگوں کو کوئی معجزہ نشان نہ دیا جائے گا"

(مرقس ۸-۱۱: ۱۳)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۳۸

زمین پر چلنے والے کسی بھی جانور اور ہوا میں پروں سے اُڑنے والے کسی بھی پرندے ہی کو دیکھ لو۔ یہ سب تمھاری ہی قسم کے گروہ ہیں۔ ہم نے اُن کی تقدیر کے لکھنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر یہ سب کے سب اپنے مالک پالنے والے کی طرف سمیٹے جائیں گے۔

روزِ جزا جانور اور پرندے بھی محشور ہوں گے

یعنی تمام چرند و پرند کو بھی محشور کیا جائے گا اور ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے گا اور حیوانات پر انسانی مظالم کی باز پرس بھی ہوگی، اور حساب و کتاب کے بعد اُن کو مار دیا جائے گا اور جنت، دوزخ صرف انسانوں کے لیے ہوگی۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۵ ص ۲۱۲)

مطلب یہ ہے کہ جانور، پرندے تمھاری طرح کی مخلوق ہیں اور تمھاری طرح پیدا کیے گئے ہیں۔ ان سب کے پیدا کرنے کا مقصد خدا کی قدرت کے کمال، اُس کے علم کی وسعت اور کمالِ تدبیر کو سمجھانا ہے۔ (تفسیر قمی)

آیت کا آخری مطلب یہ ہے کہ (۱) خالق کا نظامِ حکومت تمام کائنات پر حاوی ہے۔ (جلالین)

(۲) تم بھلا اُس کے دائرۂ حکومت سے کیونکر نکل سکو گے؟ کوئی مخلوق خدا کی حکومت کے دائرے سے نہیں نکل سکتی۔

(۳) خدا کی لکھی ہوئی تقدیر یعنی "لوحِ محفوظ" میں کوئی چیز نظر انداز نہیں کی گئی ہے۔ (شاہ ولی اللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمھیں تماشے دیکھنے کا شوق نہیں ہے اور حق کو سمجھنے کا شوق ہے تو آنکھیں کھول کر دیکھو، تمھارے چاروں طرف خدا کی نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، جانوروں ہی کو دیکھ لو۔ اُن

www.drhasanrizvi.org

کی جبلّت، اُن کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق بنائی گئی ہے۔ اُن کی روزی کا پورا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ اُن کی تقدیر (خصوصیات) مقرّر کی گئی ہیں۔ ہر کیڑے، ہر جانور کی خبر گیری اور رہنمائی کی جارہی ہے۔ ہر پرندہ، کیڑا، مکوڑا ایک ضابطے کا پابند ہے۔ اُن میں تناسل کا نظام، نظامِ ہاضمہ، Nervous System سب اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ خدا کی صرف اسی ایک نشانی پر غور کرلو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ رسولؐ کا پیغام عینِ حق ہے۔ مگر تم حق کو پہچاننا کب چاہتے ہو۔ تم تو تماشے دیکھنا چاہتے ہو۔ سو ان کا دکھانا ہمارا کام نہیں۔ (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری مخلوقات قیامت کے دن جمع کی جائیں گی۔

(قرطبی۔ بقول حضرت ابوذرؓ، ابوہریرہ، الحسن وغیرہ)

نتیجہ:- جب حیوانوں، پرندوں تک کے لیے ضروری ٹھیرا کہ قیامت میں حاضر ہوں تو بھلا انسان جو پوری طرح ذمّے دار اور صاحبِ عقل وارادہ واختیار کیونکر قیامت کی حاضری سے بچ سکتا ہے؟

"کِتٰب" سے مراد لوحِ محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی معلومات درج ہیں۔ یہ کتاب اللہ کے پاس ہے۔

(تفسیر روح المعانی)

مطلب یہ ہے کہ ہر جاندار کا رزق مقدّر ہے اور مرنے کا وقت معیّن ہے۔ اُن کے بدن خدا نے پیدا کیے ہیں اور اُن کی روحوں کی خدا پرورش کر رہا ہے۔

(تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ
بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ
اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ۳۹

(۳۹) اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ (حقیقتاً) بہرے اور گونگے ہیں، اور اندھیروں میں پڑے رہتے ہیں۔ غرض اللہ جسے چاہتا ہے (اسے) گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں ہوتا

مندرجہ ذیل آیتوں سے اس آیت کی وضاحت ہوتی ہے کہ

"خدا خواہ مخواہ نہ کسی کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور نہ کسی کو خواہ مخواہ گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے، اس کا دار و مدار ہماری کوششوں پر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا عین عدل ہے۔ خدا کا کوئی کام خلافِ عدل نہیں"
(فصل الخطاب)

یاد رہے کہ خدا کا چاہنا کبھی بلاوجہ نہیں ہوا کرتا۔ ہمیشہ انسان کے اپنے کردار پر سزا یا جزا کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیتوں میں ارشاد ہوا: (۱) "يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ" یعنی "خدا ظالموں کو گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے۔ (یا) ظالموں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔" (۲) "وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى" یعنی: "جو لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں، خدا اُن کی ہدایت میں اضافہ کر دیا کرتا ہے۔" (۳) "يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ" یعنی۔ "جو خدا کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اُس کے (حصول کے لیے اُس کا) پیچھا کرتے ہیں، انھیں اللہ اُن (کی کوششوں) کے ذریعے سلامتی کی راہوں پر لگا دیتا ہے۔" "خدا کا گمراہی میں چھوڑ دینا" یہ ہوتا ہے کہ: ضدی منکر انسان سے خدا کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی توفیق سلب کر لی جاتے — اور اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ طالبِ حق کو علم کے ذریعے سے فائدے اُٹھانے کی توفیق دی جائے تاکہ حقیقت تک رسائی ہو۔

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ (۴۰) اُن سے کہو! اچھا ذرا غور کر کے تو بتاؤ
اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ کہ اگر اللہ کی طرف سے تم پر کوئی بڑی مصیبت
تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۴۰ آجاتی ہے یا (تمہاری) آخری گھڑی آن پہنچی
ہے تو اُس وقت کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ (بولو) اگر تم سچے ہو؟

پھر تم مصیبت کے وقت اللہ کو کیوں پکارتے ہو؟

شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر "تبیان" میں اور علّامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں اِس آیت پر بڑی پیچیدہ اور طویل بحث کی ہے جس کا خلاصہ بس یہ ہے کہ:

"خدا کا یہ فرمانا" قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ " یعنی: "اچھا ذرا غور کر کے تو بتاؤ"۔ کہنا عربی کا ایک محاورہ ہے جو اہلِ زبان بولتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

کیا تم نے دیکھا اپنے تئیں ؟ (شاہ رفیع الدین)

آیا دیدیدہ ؟ (شاہ ولی اللہ)

بس یہ ایک ادا ہے طلبِ حق پیدا کرنے اور ضمیر کو جھنجوڑنے کی۔ (تفسیر تبیان)

مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی تم خلوصِ دل سے اپنے جھوٹے خداؤں کے قائل ہو تو انتہائی نازک اور مشکل وقتوں پر اُنھیں (جھوٹے خداؤں کو) کیوں نہیں پکارتے ؟ (پکار کر دیکھو وہ کچھ کام آنے والے نہیں) (ماجدی)

یعنی فطری طور پر تو اللہ ہی یاد آتا ہے مگر ہٹ دھرمی حائل و مانع ہوتی ہے کہ اُس کو قبول بھی کرلیں اور لا الٰہ الّا اللہ کے قائل ہو جائیں۔

www.drhasanrizvi.org

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا (۴۱) اُس وقت تو تم صرف اللہ ہی کو پکارتے
تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اُس مصیبت
مَا تُشْرِكُوْنَ ۴۱ کو تم سے ہٹا دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر
تم اُنھیں جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو، بالکل ہی بھول جاتے ہو۔

مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے

محققین نے لکھا کہ خدا کے وجود، خدا کی قدرت اور حکمت کی پہلی دلیل تو تمام کائنات اور تخلیقات ہیں۔ اور دوسری دلیل خود ہمارا اپنا نفس ہے بڑے بڑے کافر، مشرک اور دہریے موت کا چہرہ دیکھ کر صرف خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ توحید کی یہ شہادت ہر نفسِ انسانی کے اندر موجود ہے۔ (ماجدی)

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو اسی نشانی کے مشاہدے سے ایمان کی توفیق ملی۔ جب مکہ پر نبی کریم کا غلبہ ہو گیا تو عکرمہ جدہ بھاگا اور کشتی پر بیٹھ کر حبش کی راہ لی۔ راستے میں سخت طوفان نے آگھیرا۔ سب نے ملکر دیوی، دیوتاؤں کو گڑگڑا کر پکارا مگر طوفان نہ تھما اور ڈوب جانے کا یقین ہو گیا تو اب خدا یاد آیا۔ چنانچہ خدا کو مدد کے لیے پکارا جانے لگا۔ طوفان ختم ہو گیا تو اب عکرمہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس کے دل نے آواز دی کہ یہی تو وہ بات ہے جو اللہ کا وہ نیک بندہ (رسول ص) ہمیں بیس سال سے سمجھا رہا ہے اور ہم ہیں کہ خواہ مخواہ اُس کو جھٹلائے جا رہے ہیں۔ یہ عکرمہ کی زندگی کا فیصلہ کن لمحہ تھا۔ اُس نے خدا سے عہد کیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا تو سیدھا محمد ص کے پاس جا کر اسلام قبول کروں گا۔ غرض اُس نے اپنا عہد پورا کیا اور باقی عمر اسلام کے لیے جہاد کرتے ہوئے گزاری۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ ۴۲

(۴۲) اور ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف پیغام لے جانے والے بھیجے اور اُن قوموں کو طرح طرح کی سختیوں، تنگیوں، بیماریوں، تکلیفوں اور بلاؤں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جُھک جائیں۔

بیماری و تکالیف دینے سے خدا کا مقصد؟

یہاں صاف لفظوں میں مصیبتوں میں ڈالنے کی غرض بیان کردی کہ سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، خدا کی طرف توجہ اور خوفِ خدا پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ تکبر ٹوٹے اور انکساری دلوں میں پیدا ہو۔ (تفسیر کبیر)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ سختیوں، افلاس، بیماریوں اور سخت مصائب میں گرفتار کرنے میں خدا کی کئی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ (۱) مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (۲) نیکیوں کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ (۳) ہر شخص کا امتحان ہوتا ہے۔ اور ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ (۴) انسان اپنی عاجزی اور کمزوریوں کو جان کر خدا کی طاقت کو پہچانے اور اپنی اصلاح کرے۔ امام الامام حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ یعنی: "میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے"۔

جب کوئی انسان کوئی ارادہ کرتا ہے مگر وہ پورا نہیں ہوتا، تب وہ سمجھتا ہے کہ ضرور کوئی بالادست طاقت ہے جو اُس کے ارادوں پر بھی حکمرانی کر رہی ہے۔

مگر انسان کی کج فطری یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی سزا پاکر بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اور بدکار ہو جاتا ہے۔ اور شیطانی کاموں کو اچھے کام سمجھنے لگتا ہے۔ یہ بُرائی کا بدترین درجہ ہے۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا (۴۳) وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۴۳

پس جب ہماری طرف سے اُن پر سختی آئی تو اُنھوں نے عاجزی کیوں اختیار نہ کی؟ بلکہ اُن کے دل (اور) سخت ہو گئے۔ (کیونکہ) شیطان نے اُن کے سامنے اُن کے کاموں کو خوب سجا کر پیش کیا۔

حضرت امیر المومنینؑ کا حکمت آموز کلام

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں کہ: "اگر لوگ اُس وقت جب اُن پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہو، اور نعمتیں اُن سے سلب ہو رہی ہوں، سچے دل سے خدا سے معافی طلب کر لیں، تو خدا ہر وہ چیز اُن کو واپس کر دے گا جو اُن سے چھین لی گئی ہے اور جو کچھ بگڑ گیا ہے اُس کو درست کر دے گا۔" (نہج البلاغہ)

اِس آیت میں منکرینِ حق سے سوال کیا گیا ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ عذاب آنے پر منکرینِ حق کا عاجزی سے پیش نہ آنا ایسا بُرا عمل تھا جس کا کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اُنھوں نے عاجزی کا اظہار عذاب آنے پر بھی اِس لیے نہ کیا کہ اُن کے دل سخت ہو چکے تھے شیطان نے اُن کے بُرے اعمال خوبصورت بنا کر دکھاتے تھے، اِس لیے وہ خود کو بڑا عقلمند اور نیک سمجھتے تھے (تفسیر صافی ص۱۵۱)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بجز حق دشمنی، تکبّر اور قساوتِ قلب کے اور کوئی چیز اُن کو خدا کے سامنے گڑگڑانے سے نہیں روکتی۔ اصل میں وہ لوگ اپنے دلوں کی سختی کی وجہ سے اپنے کفر اور گناہوں پر قائم رہے۔ (معلوم ہوا کہ دلوں کی سختی سے بدتر کوئی چیز نہیں ہوتی)

؎ "بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے ۔ ۔ وہ بد نصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا" (تفسیر کبیر - قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا (۴۴) تو جب اُنھوں نے اُن باتوں ہی کو بھلا
عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ دیا جن کے متعلق اُن کو نصیحت کی گئی تھی،
حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا تو پھر ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے
اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ دروازے اُن پر کھول دیے۔ یہاں تک کہ
مُّبْلِسُوْنَ ۴۴ جب وہ اُن بخششوں میں خوب مست و مگن
ہو گئے تو اچانک ہم نے اُنھیں پکڑ لیا۔ تو اَب اُن کا حال یہ تھا کہ ایکدم ہر چیز سے بالکل
ہی مایوس ہو گئے۔

جب اُنھوں نے امیر المومنینؑ کی ولایت کو چھوڑ دیا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اِس آیت کا ایک اطلاق یہ بھی ہے کہ جب اُن لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو چھوڑ دیا، حالانکہ اُن کو اُس کو ماننے کا حکم دیا گیا تھا، تو خدا نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یعنی دنیا کی دولت کی فراوانی کر دی۔ پھر اُنھیں امام مہدی علیہ السلام کے زمانے میں اچانک پکڑ لیا جائے گا۔ اُس وقت اُنھیں معلوم ہو گا کہ اُنھیں گویا کبھی تسلط حاصل ہی نہ ہوا تھا۔"

پھر فرمایا: یہ آیت خاص طور پر بنی عباس کے بارے میں نازل ہوئی ہے (تفسیر صافی ۱۵۵ بحوالہ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی)

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: "اے آدمؑ کی اولاد! جب تو خدا (کی عطا) کو دیکھے کہ وہ مسلسل تجھے نعمتوں پر نعمتیں دیے چلا جا رہا ہے، تو خدا سے ڈر۔" (یعنی گناہوں اور نافرمانیوں سے بچ) (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ (۴۵) اس طرح ان لوگوں کی جنہوں نے
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۴۵ ظلم اور زیادتی کی تھی، جڑ اور نسل تک
کاٹ کر پھینک دی گئی، (کیونکہ) تمام تعریفیں تو اُس اللہ ہی کے لیے ہیں، جو تمام
جہانوں کا مالک اور آقا ہے۔ (یعنی ظالموں کی جڑ کاٹ دینا (صفحۂ ہستی سے مٹانا
نہایت ہی قابلِ تعریف کام ہے۔)

دشمنانِ خدا پر خدا کا عذاب بھی نعمت ہے

یہ مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ دشمنانِ خدا کی عذاب میں گرفتاری اور دینِ خدا کی ترقی پر حمدِ خدا بجالائیں کیونکہ یہ بھی اُس کی ایک نعمت ہے۔

آخر میں الحمد للہ ربّ العالمین کا جملہ بتاتا ہے کہ وہ قومیں جو تباہ کی گئیں، انسانیت کے دامن پر ایک بدنما دھبا تھیں۔ ایک وبال تھیں جن کا تباہ ہونا انسانیت کے لیے نعمتِ عظیم ہے۔ اور بجائے خود خدا کا ایک احسان ہے۔ (فصل الخطاب)

فضیل بن عیاض نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پرہیزگاری کے معنی دریافت کیے تو آپؑ نے فرمایا: "پرہیزگاری، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور جو شخص شبہے کے مقام سے گریز نہ کریگا تو وہ فعلِ حرام کا نادانستہ طور پر ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور انسان جب برائی کو دیکھے اور باوجود طاقت کے انکار نہ کرے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ نہ بجالائے تو گویا وہ اللہ کی نافرمانی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ سے علانیہ دشمنی کرتا ہے، اور جو شخص ظالم لوگوں کی زندگی کو پسند کرے تو گویا وہ گناہوں کو پسند کرتا ہے، حالانکہ خداوندِ کریم نے ظالموں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد خود اپنی ہی حمد و تعریف کی ہے۔

★ تفسیر انوار النجف ج ۵ ص ۲۱۹ (تفسیر برہان و مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ (۴۶) آپ اُن سے کہیے کہ کیا تم نے یہ بھی
سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ سوچا کہ اللہ تمھارے کان اور تمھاری
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ آنکھیں تم سے چھین لے اور تمھارے دلوں پر
يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ مُہر لگا دے، تو اللہ کے سوا کون خدا ہے
الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶ جو یہ سب چیزیں تم کو واپس دلا سکے ؟

دیکھ لیجیے کہ: کس کس طرح ہم، بار بار اپنی نشانیوں (حقیقتوں) کو اُن کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور پھر یہ لوگ کس کس طرح اُن سے منھ پھیر پھیر کر نظریں چُرا جاتے ہیں۔[۲]

اللہ تو بہر حال ہدایت کرتا رہا ہے

[۱] دلوں پر مہر لگانے سے مراد عقل و شعور کی طاقت کا سلب کر لینا ہے جس کے بعد انسان کچھ سوچ سمجھ نہیں سکتا۔ (جلالین۔ تفسیر تبیان)

[۲] "نظر چرانے" سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ان تمام باتوں پر غور ہی نہیں کرتے جن پر غور کرنے سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ یا جن باتوں پر غور کرنے سے انسان توحید کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ (قرطبی۔ بقول ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ، سدی وغیرہ)

خدا کا فرمانا کہ: "ہم کس طرح گھما گھما کر، بار بار حقیقتوں کو اُن کے سامنے پیش کرتے ہیں"۔ یعنی گھما پھرا کر بار بار حقیقتوں کو مختلف مثالوں، پیرایوں، اندازوں، اداؤں اور دلیلوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ بدمست ہوش کے ناخن لیں۔ غرض ہر طرح کی اُن کو ترغیب دیتے ہیں۔ ایک ایک بات کو سو سو رنگ میں پیش کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ حقیقت کو سمجھ لیں۔ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ (۴۷) کہو کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تم
عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً پر اچانک یا ظاہر بہ ظاہر خدا کا عذاب
هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ آ ہی جائے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا
الظّٰلِمُوْنَ ۴۷ کوئی اور ہلاک و برباد ہوگا ؟

قرآن کی رواداری اور کلام کا ادب

قرآن کی رواداری دیکھیے کہ سخت بات کو بھی اس طرح کہا گیا ہے کہ اُس میں زیادہ سے زیادہ نرمی پیدا ہو جائے۔ اسی لیے تباہی کے موقع پر کافروں کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا، بلکہ یوں فرما دیا کہ "تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا ؟" ذرا سے اندازِ کلام کے بدلنے سے تلخی کتنی کم ہو گئی۔ اس سے رواداری اور دوسروں کے احساسات کا خیال کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔ (فصل الخطاب)

محققین نے نتیجے نکالے کہ (۱) عذابِ الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہوتی ہے کہ اُس کا شکار مجرمین ہی ہوتے ہیں اور مطیعین اُس سے بچا لیے جاتے ہیں۔ فرمایا: "حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی: "مومنین کو بچا لینا ہمارا حق ہے (ہم پر لازم ہے)" (۲) اور یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ عذاب کسی بھی قسم کا ہو، اُس کو دفع کرنے کی قوت اور قدرت صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اور (۳) آیت کا مقصود یہ بھی ہے کہ مومن کے لیے بدحالی اور خوشحالی دونوں خدا کی نعمتیں ہیں۔ کیونکہ مومن کی بدحالی اُس کے گناہوں کا کفّارہ ہو جاتی ہے، یا اُس کے مراتب کو بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ (تفسیر کبیر۔ قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا (۴۸) اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں وہ اسی لیے تو
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کام کرنے والوں کو
اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ خوشخبری دینے والے اور بُرے کام کرنے والوں
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ۴۸ کو ڈرانے والے ہوں۔ پھر جو لوگ اُن کی
بات مان لیں اور اپنی بُرائیوں کی اصلاح کر لیں تو اُن کے لیے نہ تو کوئی آئندہ کا خوف ہی ہوگا
اور نہ کوئی پچھلے نقصانات پر افسوس ہوگا۔ [1]

بداعمالیوں پر افسوس اور ندامت فاسقوں فاجروں اور ظالموں کا حصّہ ہے

[1] خاصانِ خدا کو دنیا میں بلاشبہ خوف اور غم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہاں جس خوف کی نفی کی گئی ہے وہ انجام کی تباہی کا خوف ہے۔ جو ضمیر کی بے اطمینانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور جس غم کی نفی کی گئی ہے وہ اپنے اعمال پر افسوس اور شرمندگی کا غم ہے، جو خاص طور پر فاسقوں فاجروں، ظالموں کا حصّہ ہے۔ ایماندار لوگ اپنے انجام سے بڑی حد تک مطمئن رہتے ہیں اور اپنے اعمال پر مکمل طور پر پشیمان نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے اُن کو ایک خاص قسم کا قلبی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی لیے وہ اپنے ایمان اور موقف پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

عمر • وفاداری بشرطِ اُستواری اصلِ ایماں ہے (غالبؔ)

• خوف کا تعلّق مستقبل سے ہے۔ اور حُزن (غم) کا تعلّق ماضی سے ہے۔

• ایمان کا تعلّق قلب سے ہوتا ہے اور اصلاح کا تعلّق اعضاءِ ظاہری سے ہوتا ہے۔
(تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ (۴۹) مگر جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا،
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۴۹ وہ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر ہی رہیں گے۔
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ (۵۰) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ تو نہیں
خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور
الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ نہ میں (از خود) غیب کی چھپی ہوئی باتوں
مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں
اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اُس وحی
وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۵۰ کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر اُتاری جاتی ہے۔ ع ۹ ۱۱
پھر اُن سے پوچھو کہ بھلا کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ آخر تم
لوگ غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟

رسولؐ، وحیِ الٰہی کا تابع اور از خود پوشیدہ امور پر مطلع نہیں ہوتا (آیت ۵۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کی کہ مجھے اپنے خزانے دکھا۔" اللہ نے فرمایا: "موسیٰؑ! میرے خزانے یہ ہیں کہ میں جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو اُسے کہتا ہوں کہ ہو جا۔ اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔" (تفسیر صافی ص ۱۵۵ بحوالہ التوحید، معانی الاخبار، المجالس)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کے رسولؐ کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ خدا کے

www.drhasanrizvi.org

حلال کیے ہوئے کو حرام، اور حرام کیے ہوئے کو حلال قرار دے۔ نہ وہ خدا کے احکامات اور واجبات کو بدل سکتا ہے۔ وہ تو خدا کا تابعِ فرمان، اُس کے احکامات کو دل و جان سے ماننے والا، اور اُس کی طرف سے اُس کے پیغامات اور احکامات پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اِسی لیے آپؐ نے خود فرمایا کہ: "میں تو صرف خدا کے پیغام (وحی) کی پیروی کرتا ہوں" اور جو کچھ رسولؐ کو پیغام دیا جاتا تھا وہ اُسے بلا کسی قسم کی کمی بیشی کے، بالکل اُسی طرح پہنچا دیتے تھے۔"

(عیون اخبار الرضاؑ)

"اندھے سے مراد جاہل اور بصیر (آنکھوں والے) سے مراد عالم۔ اور بصیر سے اوّلین مراد اہلِ بیتِ رسولؐ ہیں۔" (تفسیر صافی ص۱۵۵ بحوالہ تفسیر قمی)

رسولِ خداؐ کو جو اقتدار اور جو علم حاصل ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ غیب کی وہ باتیں جن کو خدا نے صرف اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے، اُس کا علم انبیاؑ کو نہیں ہوتا۔ (مجمع البیان)

نتیجہ:۔ مطلب یہ ہوا کہ ذاتی اعتبار سے نبیؐ کے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہوتا، جو کچھ اور جتنا کچھ علم یا اقتدار نبیؐ کے پاس ہوتا ہے، وہ سب کا سب خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔ اِس لیے نبیؐ یا رسولؐ یا امامؑ (معاذ اللہ) خدا کے برابر یا مدِ مقابل نہیں ہوتے۔ اِس لیے خدا کی مرضی یا اجازت کے بغیر وہ معجزے کرامتیں نہیں دکھاتے۔ (مجمع البیان)

آیت کے تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کو رد کیا گیا ہے اور اِس کے اُس مسیحیت کو بھی رد کیا گیا ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور ہم پلّہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً انجیل میں ہے: "باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔ اور اُس نے سب چیزیں اُس کے ہاتھ دے دی ہیں (یوحنا ۳: ۳۵) "میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے" (یوحنا ۱۶: ۱۵)

www.drhasanrizvi.org

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ (۵۱) اور تم اِس (علمِ وحی) کے ذریعے سے
يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ اُن لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے بچاؤ جو
مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ اِس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے
لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۵۱ پالنے والے مالک کے سامنے اِس حال میں اکٹھے
کیے جائیں گے کہ اُس کے سوا وہاں اُن کا نہ تو کوئی سرپرست ہی ہوگا' اور نہ کوئی سفارشی ہوگا' شاید اِس طرح وہ خدا ترسی اور بُرائیوں سے بچنے کی روش اختیار کرلیں۔

ڈرنے والے لوگوں کو نافرمانی سے بچانے کا حکم

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں ایسے مدہوش ہیں کہ انھیں اپنی موت یاد ہی نہیں رہی ہے۔ اُن پر تو یہ نصیحت بالکل اثر نہ کرے گی۔ اور اُن لوگوں پر بھی یہ نصیحت کام نہ کرے گی جو اِس سہارے پر جی رہے ہیں کہ دنیا میں ہم جو چاہیں کرلیں' آخرت میں ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔ اِس لیے کہ ہم فلاں فلاں بزرگ کے ماننے والے ہیں۔ وہ ہمارے سفارشی ہیں۔ وہ ہمارے سارے گناہ معاف کرادیں گے۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر تم صرف انہی سے تعلق رکھو جو خدا کے سامنے حاضر ہونے کی فکر رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ حقیقتاً طالبانِ حق ہیں۔

اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "وہاں اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا" شفاعت کے غلط عقیدے کو رد (تفہیم) کرتا ہے۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں میں عام تھا۔ اسلام میں شفاعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نیک لوگ خدا کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔ یہ شفاعت خدا کے مقابلے پر نہ ہوگی' بلکہ خدا ہی کی رحمت کا نتیجہ ہوگی یعنی خدا کی طرف سے نیابتاً ہوگی۔ (تفسیر کبیر' امام رازی)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲

(۵۲) اور جو لوگ اپنے پالنے والے مالک کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اُس کو راضی رکھنے کی طلب میں لگے رہتے ہیں، اُنھیں آپ سے دُور نہ پھینکو۔ تم پر اُن کے حساب کتاب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ اُن پر تمھارے محاسبے کی کوئی ذمہ داری پس اگر تم اُن کو دور پھینکو گے، تو ظالم اور زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اصحابِ صُفّہ کے بارے میں

آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ: "مدینہ میں ایک گروہ محتاج مومنین کا تھا جو اصحابِ صُفّہ (چبوترے والے) کہلاتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کے حکم سے ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ آنحضرتؐ خود اُن کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ خود اُن کیلئے کھانا لاتے تھے۔ جب وہ لوگ حضور اکرمؐ کے پاس حاضر ہوتے تو آپؐ اُن کو اپنے قریب بٹھاتے تھے، دیر تک اُن سے پیار محبت کی باتیں فرماتے تھے۔ لیکن مالدار طبقے کو یہ بات پسند نہ تھی۔ وہ لوگ ان فقراء سے ہٹ کر بیٹھتے تھے۔ حضورؐ نے اُن سے فرمایا کہ آگے آئیے۔ تو ایک انصاری نے آپؐ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ حضورؐ نے فرمایا: "شاید تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ فقیری تم سے چمٹ جائے گی"۔ اس پر اُس نے کہا کہ آپؐ اِن فقراء کو اپنے پاس سے نکال کیوں نہیں پھینکتے؟۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص۱۵۵ بحوالہ تفسیر قمی، تفسیر تبیان)

اِس آیت میں پانچوں وقت کی نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ اور دوسرے فرائض کا بھی ذکر ہے۔
(کشاف، قرطبی بقول ابنِ عباسؓ، مجاہد، حسن)

www.drhasanrizvi.org

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ۵۳

(۵۳) اور اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کا امتحان کچھ اور لوگوں کے ذریعے سے لیا ہے۔ تاکہ وہ انہیں دیکھ کر کہیں کہ: کیا ہمارے درمیان یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے بڑا احسان فرمایا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا نہیں ہے۔؟

اللہ کی نظر میں ایمان کی قدر ہے دولت کی نہیں

رسولِ اکرمؐ سے امیروں (دولتمندوں) کا یہ مطالبہ کہ "غریبوں کو اپنے پاس سے نکال پھینکیے" اصل میں ایک طرح کے حسد کا نتیجہ بھی تھا۔ کیونکہ وہ، یہ محسوس کرتے تھے کہ ان غریبوں کو یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوگیا کہ یہ فقیر، رسولؐ سے ملے بیٹھے ہیں۔ یہ مرتبہ تو ہمیں ملنا چاہیے تھا کہ ہم دولتمند ہیں۔ یہی حسد اُن کا امتحان بن گیا۔" (مجمع البیان)

امیروں (دولتمندوں) کے اس مطالبے کا جواب آیت کے آخری حصے میں دیا گیا ہے کہ: کیا کیا جائے، یہی وہ غریب لوگ ہیں جو رسولؐ کی تعلیمات کی قدر کرتے ہیں اور اس لیے یہی لوگ شکرگزار ہیں، تو کیا اللہ شکر ادا کرنے والوں کو تم ناشکروں کی خاطر نظر انداز کردے؟ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (فصل الخطاب) ___ محققین نے نتیجہ نکالا کہ "طبقاتی تقسیم کا مقصد امتحان لینا ہوتا ہے۔ اس امتحان میں دولتمند لوگ اکثر ناکام ہوجاتے ہیں۔ (کیونکہ یہ متکبر ہوتے ہیں) (قرطبی)

بقولِ امیر انیسؒ: "عزت جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے ::: وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی ::: جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے

www.drhasanrizvi.org

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ (۵۴) اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں، جو
بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ ہماری باتوں یا نشانیوں کو مانتے ہیں،
رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ تو اُن سے کہو سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۔ یعنی تم پر
مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ سلامتی ہو۔ تمہارے پالنے والے مالک نے
ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ (تم پر) رحم کرنے کو اپنے اوپر لازمی قرار
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۵۴ دیدیا ہے، اِس طرح اگر تم میں سے کوئی
نادانی کے ساتھ کوئی بُرا کام کر بیٹھے، پھر اُس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرکے
خود کو درست کرلے، تو یقیناً خدا بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

قرآن کی رُو سے سلام کرنے کا طریقہ اور توبہ کی اہمیّت

یہاں قرآن مجید کی رُو سے سلام کرنے کا طریقہ جو سکھایا جارہا ہے وہ "سلامٌ عَلَيْكُمْ" ہے۔ مگر قرآن کی رُو سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنا بھی درست ہے۔ (فصل الخطاب)

آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک گروہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی عاجزی سے عرض کی: "ہم سے گناہ بہت سرزد ہوئے ہیں۔" آپؐ یہ بات سُن کر خاموش رہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر صافی ص۱۵۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "یہ آیت توبہ کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اِس بات کی تائید آیت کا آخری حصّہ کر رہا ہے۔" (تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ (۵۵) اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کو کھول کھول
لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۵۵ کر تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں
کا طریقۂ کار پوری پوری طرح واضح ہو جائے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ (۵۶) کہدیجیے کہ مجھے اس بات سے روک دیا
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ گیا ہے کہ میں اُن کی بندگی کروں جنھیں تم
اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ اللہ کے سوا خدا کہکر پکارتے ہو۔ کہدیجیے کہ
قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ میں تمھاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں
الْمُهْتَدِيْنَ ۵۶ گا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔
اور سیدھا راستہ یا منزلِ مقصود پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔

خدا کی نشانیاں نبیؐ یا امامؑ ہوتے ہیں

حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ:

"حجتِ خدا (امامؑ یا نبیؐ) سے بڑھ کر خدا کی کوئی نشانی نہیں" یہ خدا کی بولتی نشانیاں ہیں۔ (تحف العقول صفحہ ۵۶ آیت ۳)

اس بات سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی گمراہی کا اصل سبب اپنی خواہشات کی پیروی کرنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ نہ کسی دلیل کی پیروی کرتے ہیں اور نہ کسی ہدایت کی۔ بس جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو حق پر ہوتا ہے وہ ضرور کسی دلیل کا تابع ہو گا، وہ اپنی غلط خواہشات اور ہوا و ہوس کا تابع نہ ہو گا۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۶)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ: "خود ساختہ پرداختہ عبادتیں درست ہونے کی سند نہیں رکھتیں۔ (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝۵۷

(۵۷) کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے کھلی ہوئی روشن "دلیل" پر قائم ہوں۔ جبکہ تم نے اُسے جھٹلایا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ فیصلہ کرنے کا سارا اختیار تو صرف اللہ کو ہے۔ وہی صحیح اور حق باتیں بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

عذاب لانا یا معجزہ دکھانا، سب خدا کے اختیار میں ہے

بَیِّنَةٍ (یعنی کھلی ہوئی روشن دلیل) کے اصل معنی واضح بیان کے ہیں۔ مگر عربی محاورے میں اس کے معنی روشن اور واضح دلیل کے ہو جاتے ہیں جو عام ہیں۔ (ابن جریر، معالم)

"خدا کا فرمانا کہ: "فیصلہ کرنے کا سارے کا سارا اختیار تو صرف اللہ کو ہے"۔ یعنی کائنات میں حاکمانہ تصرف تو صرف اور صرف خدا کر سکتا ہے (میں (رسولؐ) جو کچھ کر سکتا ہوں وہ خدا ہی کے دیے ہوئے اختیار اور اجازت سے کر سکتا ہوں) اس لیے میں تم پر عذاب اپنی مرضی سے نہیں لا سکتا۔ عذاب لانے کا اختیار تو اللہ کو ہے، وہ چاہے تو جلد عذاب لے آئے۔ اور چاہے تو تمھیں ابھی اور سوچنے سمجھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی مہلت عطا فرمائے۔

(قرطبی - ابن جریر - ابن کثیر)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۸

(۵۸) کہدیجیے کہ اگر میرے قبضۂ اختیار میں وہ (عذاب یا معجزہ) ہوتا جس کے لیے تم جلدی مچاتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ زیادہ بہتر طور پر جانتا ہے کہ ظالموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہیے (کیونکہ) وہ ظالموں کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔

میرے بعد ظالم میرے اہلبیت پر ظلم کریں گے

اس آیت کی تاویل میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "میں تم کو بتلائے دیتا ہوں کہ تم اپنے دلوں میں یہ بات چھپائے ہوئے ہو کہ مجھے جلدی موت آجائے اور تم میرے بعد میرے اہلبیت پر ظلم کرو۔ اس وقت تمہاری مثال اُس شخص جیسی ہو جائے گی جس کے لیے خدا نے فرمایا کہ: "جب اُس پر روشنی پڑتی ہے تو چل پڑتا ہے، اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو رُک جاتا ہے۔"

" لیکن بالآخر نورِ محمدیؐ سے تمام زمین اسی طرح روشن ہوگی جیسے سورج سے روشن ہوتی ہے"۔

(تفسیر صافی صـ ۱۵۶ بحوالہ کافی)

آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ خوب اچھی طرح سے، ہم سے بہتر طور پر جانتا ہے کہ ظالموں سے کس طرح نمٹا جائے۔ خدا جلد بازی نہیں کرتا کیونکہ خدا صاحبِ حکمت ہے اور حلیم ہے وہ اپنے بندوں کو طویل مہلتیں دیا کرتا ہے تاکہ اصلاح کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ (تاکہ وہ پورے طور پر جزا یا سزا کے مستحق ہو جائیں۔ پھر انہیں عذر تراشی کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔)

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

(۵۹) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ
اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا
وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا
رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ
مُّبِيْنٍ ۝ ۵۹

اور اُسی کے پاس چھپے ہوئے خزانوں کی چابیاں ہیں، جنھیں اُس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ اور وہ ہر اُس چیز کو جانتا ہے جو خشکی یا تری میں ہے، درخت سے گرنے والا کوئی پتا بھی تو ایسا نہیں ہے جس کا اُسے علم نہ ہو۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں ہے جس کی اُسے خبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کا سب ایک کھلی ہوئی کتاب (یعنی علمِ الٰہی یا لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا

اِس آیتِ مجیدہ کی تاویل میں

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "وَرَقَةٍ (پتا گرنے) سے مراد وہ بچّہ بھی ہے جو ولادت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور "حَبَّةٍ" (بیج) سے مراد وہ بچّہ بھی ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اور اُس کے سر کے بال اُگ آئے ہوں اور پھر ساقط ہو جائے۔ اور "رَطْبٍ" (تر) سے مراد گوشت کا وہ گیلا ٹکڑا بھی ہے جو رحمِ مادر میں ہو اور ابھی اُس کی خلقت پوری نہ ہوئی ہو اور ابھی وہ حرکت بھی نہ کر سکتا ہو۔ اور "یَابِسٍ" (خشک) سے مراد وہ بچّہ بھی ہے کہ جسکی خلقت پوری ہو چکی ہو اور وہ صحیح و سالم پیدا ہوا ہو۔ اور "کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" (کھلی ہوئی کتاب) سے اصل مراد "امام مبین" ہے۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ "خدا نے علیؑ کے بارے میں

(تفسیر صافی ص۱۵۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

www.drhasanrizvi.org

فرمایا ہے: "قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ" یعنی: "تم کہدو کہ میرے اور تمھارے درمیان گواہی دینے کے لیے خدا کافی ہے، اور وہ کافی ہے جس کے پاس کتاب کا (پورا) علم ہے۔"

اور علیؑ کے بارے میں یہ بھی فرمایا: "لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" یعنی: "کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے کہ جو کتابِ مبین (یعنی امامِ مبین) میں موجود نہ ہو۔" (احتجاج طبرسیؒ)

غرض اصل میں یہ خداوندِ عالم کے علم کی وسعت کا بیان ہے، مگر عام طور پر یہ فقرہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے پڑھا جانے لگا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ اس کا ماٰخذ معلوم نہیں۔ (فصل الخطاب)

خدا کی قدرتِ کاملہ کا تو کیا ٹھکانہ مگر علمِ کامل بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ سارے مذاہب کے ماننے والوں نے خدا کی حیات، قدرت اور علم اِن تینوں صفات کے بارے میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اسی لیے قرآن نے اِن تینوں صفات کو بار بار تاکید اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں صفات توحید اور خدا کی معرفت کے بارے میں کلیدی مقام رکھتے ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ تمام غیب کا مالک خدا ہی ہے۔ چاہے "مفاتیح" کے معنی کنجیاں لی جائیں یا خزانے لیے جائیں۔ (کشاف، تفسیر کبیر)

"کتابِ مبین" (کھلی ہوئی کتاب) سے مراد "لوحِ محفوظ" بھی ہے جو علمِ الٰہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ (ابنِ جریر ۔ تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ (۶۰) اور وہی (خدا تو) ہے جو رات کو
وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ تمھاری روحیں لے لیتا ہے اور جو کچھ
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰى بھی تم نے دن میں کیا ہوتا ہے، اُسے
اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ خوب جانتا ہے، پھر دوسرے دن وہ تمھیں
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا واپس بھیج دیتا ہے تاکہ تمھاری زندگی
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۶۰ کی مقررہ مدت پوری ہو جائے۔ پھر
اسی طرح تمھارا (خدا کی طرف) پلٹنا ہوگا۔ پھر وہ (خود) تمھیں بتا دے گا کہ
کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

اللہ لوگوں کو نیند کے عالم میں اُٹھا لیتا ہے

"وفات" (توفّی) کے معنی 'موت' ہی کے نہیں۔ اِس کے اصل معنی "لے لینے" کے ہیں یا "اُٹھا لینے" کے ہیں۔ اِسی لحاظ سے یہ لفظ یہاں رات کی نیند کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لیے کہ نیند کے عالم میں انسان کی روح (نفس) کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ (جلالین شاہ ولی اللہ)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ اے کافرو! تم ایک مرتبہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو۔ حالانکہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا کمال تو تم روز دیکھتے ہو کہ تم سو کر پھر اُٹھ جاتے ہو۔ پھر خدا کے لیے بھلا کیا مشکل ہے کہ وہ روزِ قیامت تمھیں اُٹھا کر کھڑا کر دے۔
(ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (۶۱) اور وہ اپنے بندوں پر پورا پورا قابو
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط رکھتا ہے۔ اور تم پر نگراں (فرشتے) بھیجتا
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ کا وقت آجاتا ہے تو خدا کے بھیجے ہوئے
هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ۶۱ (فرشتے) اُس کی جان نکال لیتے ہیں۔ اور وہ
اپنے کام میں ذرا سی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔

ہمارے نگراں فرشتوں کی ذمّے داریاں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ: "اِن فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تمہاری حفاظت بھی کرتے ہیں اور تمہارے اعمال بھی لکھتے ہیں۔ اور تم سے شیطانوں اور جانوروں اور ہر قسم کی آفتوں کو ہٹاتے رہتے ہیں۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ اُسے لکھتے رہتے ہیں۔" نیز فرمایا: "بندوں کے اعمال لکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم جائے گا کہ اُن کے اعمال لکھے جاتے ہیں، اور پھر وہ ایک بڑے مجمعے میں پڑھ کر سُنائے بھی جائیں گے، تو وہ بہت سی بدکاریوں سے رُک جائیں گے۔ لیکن جب بندہ اپنے مالک کی مہربانیوں پر بھروسا کر لیتا ہے تو پھر وہ کسی خوف سے اطاعت نہیں کرتا، بلکہ خوشی خوشی اُس کی اطاعت کرتا ہے۔" (تفسیر صافی صـ ۱۵۶ بحوالہ تفسیر قمّی)

نیز فرمایا: "خدا مخلوق کا حساب آنکھ جھپکتے میں لے گا جیسے وہ سب کو ایک ساتھ روزی دیتا ہے، اِسی طرح ایک وقت میں ایک ساتھ سب کا حساب بھی لے لینے پر قادر ہے۔
(تفسیر صافی صـ ۱۵۶)

www.drhasanrizvi.org

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ (۶۲) پھر وہ لوگ پلٹائے جاتے ہیں
الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وقف اللہ کی طرف جو اُن کا حقیقی مالک ہے
وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ ۶۲ تو ہوشیار اور خبردار ہو جاؤ کہ فیصلہ
کرنے کے تمام اختیارات اُسی (خدا) کو حاصل ہیں، اور وہ سب سے زیادہ
تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

روزِ قیامت پلک جھپکتے حساب ہو جائے گا

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات کا حساب آنکھ کے ایک بار جھپکنے میں لے لے گا۔ وہ تمام اولین و آخرین سے ایک ساتھ خطاب فرمائے گا اور ایک ہی دفعہ سب کا حال سُن لے گا جبکہ ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہوگا کہ اِس وقت خداوندِ بزرگ و برتر صرف مجھ ہی سے خطاب فرما رہا ہے، کسی اور سے نہیں۔ کیونکہ خداوندِ عالم کا سب کو ایک ساتھ خطاب کرنا اِس بات سے روک نہیں سکتا کہ دوسرے سے خطاب نہ فرمائے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۵۶۔ الاعتقادات)

امام فخرالدین رازی نے لکھا کہ "اِس آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لیے چار صفات پیدا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ (۱) دُعاء کرے۔ (۲) خدا کے سامنے گریہ و زاری کرے۔ (۳) خلوصِ قلب پیدا کرے۔ یعنی اللہ کی خالص اطاعت کا جذبہ بیدار کرے۔ (۴) جو نعمتیں ملی ہیں اُن پر شکر ادا کرے۔ (تفسیر کبیر)

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۶۳

(۶۳) اُن سے پوچھیے کہ صحرا اور سمندروں کے اندھیروں (یعنی دنیا کی سخت ہولناک تکلیفوں) میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جسے تم گڑگڑا گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارتے ہو؟ کہ اگر اِس عذاب (بلا) سے تُو نے ہمیں بچالیا تو ہم ضرور تیرے شکر گذاروں میں سے ہوں گے

دُعا قبول کرنے والا کس انداز کو پسند کرتا ہے؟

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ "بہترین دعا وہ ہے جو یکسوئی سے چپکے چپکے مانگی جائے، اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔

آپؐ ایک قوم کے پاس سے گذر رہے تھے جو باآوازِ بلند دُعاء مانگ رہے تھے آپؐ نے فرمایا: "تم کسی بہرے یا دُور بسنے والے کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ تم تو اُسے پکارتے ہو جو سمیعٌ قریبٌ ہے (سننے والا قریب ہے) (یعنی چپکے سے دعاء مانگنا زیادہ بہتر ہے" (انوار النجف از تفسیر مجمع البیان)

عربی محاورے کے اعتبار سے "اندھیروں سے چھٹکارا دینے" کے معنی سخت ہولناک تکلیفوں سے نجات دینا ہے۔ (تبیان)

عُرفاء نے **نتیجہ** نکالا کہ اس آیت میں ہر قسم کے خفی جلی، قلبی لسانی، اور عملی فکری ذکر کی تلقین کی گئی ہے۔

(تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ (۶۴)

کہو کہ اللہ ہی تمھیں اُس بلا سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم دوسروں ہی کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

جس کا کھاؤ اُسی کے گن گاؤ۔ نمک حرامی نہ کرو

یہ حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ خدا ہی صرف قادرِ مطلق ہے، اور وہی تمام اختیارات کا مالک ہے۔ تمھاری بھلائی، بُرائی کا مختارِ کُل ہے اُسی کے ہاتھ میں تمھاری قسمتوں کی باگ ڈور ہے۔ اِس کی گواہی خود تمھارے اپنے نفس میں موجود ہے۔ اِس طرح کہ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور اسباب کے بندھن ٹوٹتے نظر آتے ہیں، پھر تم خود ہی بے اختیار خدا ہی کی طرف رُجوع کرتے ہو۔ اتنی واضح علامت کے ہونے کے باوجود پھر بھی تم خدا کی خدائی میں بلا ثبوت دوسروں کو شریک بناتے رہتے ہو۔ پلتے ہو خدا کے رزق پر، اور گن گاتے ہو دوسروں کے، مدد پاتے ہو خدا کے فضل و کرم سے، مگر حامی اور ناصر ٹھیراتے ہو دوسروں کو، غلام اُس کے ہو مگر بندگی دوسروں کی بجالاتے ہو، کام وہ آتا ہے اور گڑگڑاتے کسی اور کے سامنے ہو۔ (تفہیم)

عرض آیت میں عام انسانوں کی خباثتِ نفس کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلّانے لگتا ہے اور ادھر مصیبت ختم ہوئی، تو پھر اکڑنے اور ظلم کرنے لگتا ہے۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶۵

(۶۵) کہو کہ وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے، یا تمہارے قدموں ہی کے نیچے سے اُٹھا دے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے۔ اب دیکھ لو کہ ہم کس کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ شاید یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔

اللہ ہر قسم کا عذاب لانے پر قادر ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "اوپر والا عذاب آسمانی دھواں اور چیخ ہے۔ پیروں کے نیچے والا عذاب پاؤں کا زمین میں دھنس جانا (اور زلزلے) ہیں۔" اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھا دینا" تمہارا ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں میں بھی ہوگا۔" (تفسیر عیاشی و تفسیر قمی)

قرطبی نے لکھا کہ: "ہمارا تو آنکھوں دیکھا ہوا مشاہدہ ہے کہ ہمارے ہی بھائی بندوں نے ہمارے گلے کاٹے، ہمارا مال لوٹا، ایک دوسرے کی جان مال عزت آبرو کو حلال سمجھا۔" (قرطبی)

پیغام غنیمت سمجھو کہ اللہ نے تمہیں مہلتِ فکر و عمل دے رکھی ہے۔ اور وہ خود اپنی نشانیوں پر نشانیاں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے تاکہ تم حق کو پہچان کر سیدھا راستہ اختیار کر لو۔ (لہٰذا اس مہلت سے فائدہ اُٹھاؤ) (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۶۶

(۶۶) مگر تمہاری قوم نے تو اُس کو خوب خوب جُھٹلایا، حالانکہ وہ سچّی حقیقت ہے۔ کہدیجیے کہ میں تم پر کوئی ٹھیکیدار نہیں ہوں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۷

(۶۷) ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرّر ہے۔ تم کو بھی عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

میں تم پر ٹھیکیدار نہیں ہوں

"میں تمہارا ٹھیکیدار نہیں"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ: نبیؐ کی حیثیت سے میرا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ اب تم مانتے ہو یا نہیں، عمل کرتے ہو یا نہیں، اِس کی ذمّے داری مجھ پر نہیں۔ (فصل الخطاب)

یعنی میرا یہ کام نہیں ہے کہ جو کچھ تم دیکھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو، میں اُسے زبردستی تمہیں دکھاؤں اور جو کچھ تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے، میں بہ زور تمہارے دماغ میں اُتار دوں۔ یہ میرا کام نہیں ہے میرا کام صرف حق اور باطل کو الگ الگ کر کے پیش کر دینا ہے۔ اب اگر تم نہیں مانتے تو اِس نہ ماننے کا بدترین انجام اپنے وقت پر خود تمہارے سامنے آجائے گا۔ (تفہیم)

"ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرّر ہے"

یعنی تمہاری مدّت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ اِس سے یہ سمجھنا کہ بات ٹل گئی، چُھٹّی ہو گئی۔ نہیں۔ بلکہ جو کچھ کہا ہے وہ حرف بہ حرف پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی اُس کا وقت نہیں آیا۔ اُس کا وقت خدا کی حکمت کے تقاضوں کے مطابق مقرّر ہے۔ بس صرف اِتنی سی بات ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ صرف اِس لیے تم پر ابھی تک عذاب نہیں آیا۔ (تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ (۶۸) اور جب تم یہ دیکھو کہ لوگ ہماری
فِيْ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى نشانیوں (باتوں) پر نکتہ چینیاں اور لایعنی
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا اعتراضات کر رہے ہیں تو اُن کے پاس سے
يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ ہٹ جاؤ، جبتک کہ وہ دوسری باتوں
بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۶۸ میں نہ لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان
تم کو بھلا دے، تو یاد آجانے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جو...؟

جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ "جو شخص خدا اور روزِ قیامت کو دل سے مانتا ہے وہ اُس محفل میں ہرگز نہیں بیٹھے گا جس میں (دین یا) امام کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہو۔ یا کسی مسلمان کی غیبت کی جا رہی ہو۔" پھر جناب رسولِ خدا نے اِس آیت کو تلاوت فرمایا۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جس کے ساتھ جا ہو اُٹھو بیٹھو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔" پھر اِسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (علل الشرائع)

اِس آیت میں جناب رسولِ خدا سے تخاطب ماننا ضروری نہیں۔ اکثر جگہ اسی طرح واحد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، مگر ان آیتوں کا مخاطب غیر معیّن ہوتا ہے۔ یعنی کوئی بھی ہو اُس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جہاں دینی حقائق کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو وہاں شرکت نہ کرے لیکن اگر بھولے سے شریک ہو جائے تو دوبارہ ایسا نہ کرے۔ (تبیان۔ فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ۶۹

(۶۹) اُن کے حساب میں سے کسی بھی چیز کی ذمّے داری اُن لوگوں پر نہیں ہے جو بُرائیوں سے بچنے والے ہیں، سوا اِس کے، کہ اُن کو نصیحت کردیں (یعنی) اُن کی بھلائی چاہتے ہوئے اُن کو سمجھادیں، تاکہ شاید وہ غلط کاموں سے بچ جائیں۔

نصیحت کرنا تو لازم ہے لیکن کسی کے پیچھے نہ پڑجائیں

مطلب یہ ہے کہ کفّار اپنے اعمال کے خود ذمّے دار ہیں مسلمانوں پر کافروں کے اعمال کی کوئی ذمّے داری نہیں۔ البتّہ مسلمانوں اور نیک لوگوں پر نصیحت کرنا فرض ہے عمل کریں یا نہ کریں، یہ اُن کا کام ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب اِس سے پہلے والی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا کہ کافر تو ہر وقت ایسی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تو کیا ہم مسجد الحرام جاکر کعبہ کا طواف کرنا ہی بند کردیں؟ اُن کو جواب میں کہا جارہا ہے کہ نہیں تم تو وہاں اپنے کام یعنی عبادت کے لیے گئے ہو۔ وہ جو وہاں بکواس کرتے ہیں اُس کی ذمّے داری تم پر نہیں ہے۔ تم خاص طور پر کان لگاکر دلچسپی کے ساتھ اُن کی باتیں نہ سنو۔ ہاں اگر موقع مناسب ہو تو اُن کو اتنا سمجھادو کہ ایسی باتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ ایسی باتوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ (تفسیر تبیان)

محقّقین نے نتیجہ نکالا کہ اگر اہلِ باطل حق کو نہ مانیں، تو اہلِ حق پر یہ فرض نہیں کہ وہ اُن کی اصلاح پر اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کردیں اور بس اُن کی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں۔ اِس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ طالبانِ حق کی مزید ہدایت کا بندوبست کریں۔ اہلِ باطل کو سمجھاکر چھوڑ دیں۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ (۷۰) اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا
لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ بنا رکھا ہے (کیونکہ) اُن کو دُنیا کی زندگی نے
الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ دھوکے میں ڈال رکھا ہے اُن کو اُنہی کے حال پر
نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا چھوڑ دو۔ البتہ اُن کو نصیحت کرتے رہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ تاکہ کوئی بے بسی (لاعلمی) کے عالم میں اپنی بداعمالیوں
وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا میں گرفتار نہ ہو جائے۔ ایسا گرفتار کہ پھر
يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُُسے اللہ سے بچانے والا نہ تو کوئی مددگار ہو
اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ اور نہ کوئی سفارشی ہو۔ اگر وہ ہر طرح کا
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ ہر ممکن معاوضہ بھی دے کر جان چھڑانا چاہے
اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ۷۰ تو وہ بھی اُس سے قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسے ع ۸ ۱۰ ۱۲
لوگ تو خود اپنے کمائے ہوئے بُرے کاموں کے نتیجے میں پکڑے گئے اور بے بسی کے ساتھ
ہلاک و برباد ہوئے۔ اِسی انکارِ حق کے سبب سے اُن کیلئے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔

دین کو کھیل تماشا بنانے والی اقوام

دین کو کھیل تماشا بنانے کی بہترین مثال ہندوؤں کی بھی ہے کہ اُنھوں نے ہولی جیسے بزعمِ خود مقدس تہوار کو ناچ، گانے، گالیاں بکنے، شراب پینے پر خرچ کیا اور دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے، چراغوں، سوانگ اور ناٹک کے نذر کر دیا۔ عیسائیوں نے کرسمس کے پاک دن کو بدمستی، شراب نوشی اور بدکاری میں ڈبو دیا۔ اور مسلمانوں نے

www.drhasanrizvi.org

اپنی مقدس عیدوں کو عیاشیوں، تعزیوں، ناچ رنگ اور موسیقی کے حوالے کر دیا۔ عید کا مطلب خدا کی نعمتوں کا شکر، غریبوں کی امداد، دوسروں کے لیے قربانی دینا، اور عبادات کے ذریعے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا تھا، جو روزوں کا مقصد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم تھی، اِس کا حشر کیا ہوا، آپ خود عیدوں کے موقعوں پر ملاحظہ فرمالیں، سینما گھروں میں تِل دھرنے کی جگہ نہ ملے گی اور دوسری طرف عبادت گاہیں خالی نظر آئیں گی۔

خدا کا فرمانا: "البتہ اِن کو قرآن سُنا کر نصیحت کرتے رہو۔ تاکہ کوئی بے بسی (یعنی لاعلمی) کے عالم میں اپنی بداعمالیوں میں گرفتار نہ ہو جائے" مطلب یہ ہے کہ تم اسلام کی تعلیمات دیتے رہو تاکہ کوئی خدا کے سامنے یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ ہم تو بے بس تھے۔ ہمیں کوئی بتانے والا ہی نہ تھا۔ (مجمع البیان)

"اِس لیے رسول ؐ کے لیے اور آج خاص طور پر علماءِ دین اور پھر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات دوسروں کو بتاتے رہیں تاکہ جو مخالفت کرے وہ جان بوجھ کر کرے۔"

پہلی بے بسی کا جو ذکر تھا وہ لاعلمی کی بے بسی تھی۔ دوسری بے بسی کا جو ذکر ہے وہ خدا کی سزا اُٹھاتے وقت کی بے بسی ہے۔ کیونکہ جب خدا کی طرف کی سزا ملتی ہے تو پھر نہ رشوت چلتی ہے، نہ چالبازی کام آتی ہے۔ کیونکہ یہ بے بسی بدکاروں کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اِس لیے سزا ملنے والا انسان قابلِ رحم نہیں ہوتا۔ (فصل الخطاب)

۹ "اِس طرح تو ہوتا ہے، اِس طرح کے کاموں میں"

www.drhasanrizvi.org

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۷۱) اُن سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر
مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ اُن چیزوں کو پکاریں جو نہ تو ہمیں کوئی
نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ فائدہ ہی پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی نقصان
هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى پہنچا سکتی ہیں ؟ جبکہ خدا تو ہمیں سیدھا
اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى راستہ دکھا چکا ہے۔ تو کیا اب ہم اُلٹے
الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ پاؤں پھر جائیں ؟ کیا ہم اپنی حالت
يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى اُس آدمی کی سی کرلیں جسے شیطان
ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ صحراؤں میں حیران و پریشان پھرائیں۔
هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ جبکہ اُس کے ساتھی اُسے سیدھے راستے
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۷۱ کی طرف بُلا رہے ہوں کہ اِدھر ہماری
طرف آجا ؟ کہہ دیجیے کہ صحیح رہنمائی تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اُسی کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ تمام کائنات کے پالنے والے آقا کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دیں۔

راہِ ہدایت تو اللہ ہی کی رہنمائی سے حاصل ہو سکتی ہے

آیت کا پیغام یہ ہے کہ:

"ہدایت کی راہ وہی ہوتی ہے جو خدا دکھائے۔ محدود نظر رکھنے والوں کے ناقص نظریات اور جذباتی فیصلے ہدایت کا معیار نہیں بن سکتے۔ (تفسیر کبیر)

؎ عقلِ کم مایہ امامت کی سزاوار نہیں ::: راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کارِ حیات
(اقبال)

www.drhasanrizvi.org

وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ (۷۲) وَ هُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۷۲

اور یہ کہ نماز قائم کریں اور اُس کی نافرمانی سے بچیں ۔ اور وہی تو ہے جس کی طرف تم سب اکٹھے سمٹ کر جاؤ گے ۔

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ (۷۳) الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ۷۳

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بالکل صحیح ' ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا (حشر) ہو جا ' تو فوراً وہ ہو جائے گا ۔ اُس کا حکم بالکل سچ ہے جس دن صور پھونکا جائے گا اور اُس دن ساری کی ساری بادشاہی صرف خدا کی ہوگی ۔[لہ] وہ ان دیکھی اور دیکھی سب کی سب باتوں کا اچھی طرح جاننے والا ہے اور وہی بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا اور ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے ۔

[لہ] جب بحکمِ خدا صور پھونکا جائے گا تو...؟

جناب رسولِ خدا[ص] نے فرمایا کہ :

" صور " نور کا ایک آلہ ہے جسے اسرافیل منہ میں لیے ہوئے ہیں ۔ خدا جیسے ہی حکم دے گا وہ اُسے پھونک دیں گے ۔ "

ایک اور روایت میں ہے کہ اُس آلے میں تمام انسانوں کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں ۔ جس میں ہر انسان کی روح ہے ۔ ان میں کچھ سوراخ کھلے کھلے ہیں اور کچھ تنگ ہیں " ۔ (تفسیر صافی[ص ۱۰۱])

(باقی تفسیر اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ اسرافیل کے پاس جو صور ہے اُس کے دو رُخ ہیں ایک آسمان کی طرف اور دوسرا زمین کی طرف ۔ چنانچہ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو اُس کا رُخ زمین کی طرف ہوگا اور تمام زمین کے ذی روح مرجائیں گے ۔ پھر جب اسرافیل اُس کا رُخ آسمان کی طرف کرکے پھونکیں گے تو تمام اہلِ آسمان لقمۂ اجل ہوجائیں گے ۔ اور پھر بحکم پروردگار اسرافیل بھی مرجائیں گے پس ایک نامعلوم وقت تک سناٹا چھایا رہے گا ۔ آسمان مضطرب اور زمین میں سنسنی سی مسلط ہوگی ۔ پھر زمین ایک چٹیل میدان کی صورت میں ہوگی اور صدائے توحید ہر چہار سُو گونجے گی "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہت ہے) خدا خود ہی فرمائے گا "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" (سب ملک صرف اللہ کا ہے جو اپنی ہی قدرت سے سب پر غالب و قاہر ہے) ۔ پھر امرِ پروردگار سے دوبارہ سب مخلوق زندہ کردی جائے گی اور حساب کے لیے پیش ہوگی ۔ (تفسیر برہان ، انوار النجف ص ۱۳۵ ج ۱۲)

کائنات کی پیدائش کی ابتداء "نظامِ اسباب" کے ساتھ ہوئی ۔ اِس لیے فرمایا: "آسمانوں اور زمین کو خدا نے پیدا کیا" اور قیامت کے دن جو سب کو ایک ساتھ اچانک زندہ کیا جائے گا ، وہ خدا کے "نظامِ امر" کے تحت ہوگا ۔ یعنی اسباب کو دخل نہ ہوگا ۔ حکم ہوتے ہی سب زندہ ہوجائیں گے ۔ اِس لیے اُس دن کے لیے فرمایا: "وہ دن جب وہ کہے گا کہ "ہوجا" تو سب کچھ ہوجائے گا ۔" اِسی کو عالمِ امر کہتے ہیں ۔ (جلالین)

خدا کا فرمانا کہ "خدا کہے گا ، ہوجا ، وہ (قیامت) ہوجائے گی ۔" اور اِس کے یہ معنی بھی کہے گئے ہیں کہ "اصل میں کوئی خطاب نہ ہوگا ، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کا "ارادہ" ہوگا ۔ اس ارادے میں الفاظ کا گذر نہیں ہے کہ خدا الفاظ جاری کرے گا ، بلکہ وہ صرف ارادہ ہوگا اور قیامت برپا ہوجائے گی ۔ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ (۷۴) اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ۷۴

اور ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بُتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں تمھیں اور تمھاری قوم والوں کو کُھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارُخ تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارُخ تھا۔ وہ مسلمان تھے۔ مگر اُن کا انتقال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپنے ہی میں ہوگیا تھا۔ اُن کے خاندان کے ایک عزیز آزر نے اُن کو پالا تھا۔ پالنے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اُن کو باپ کہا کرتے تھے۔ (تبیان)

مجاہد، ابن جریر اور سُدی کی روایات میں آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا کہا گیا ہے۔ (درمنثور سیوطی)

یاد رہے کہ عرب کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا سب سے بڑا پیشوا مانتے تھے۔ خاص کر قریش کو تو اسی بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ کعبہ کے خادم ہیں۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے حقیقتِ توحید کو حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے بیان فرمایا اور اُن کا جھگڑا مشرکوں سے دکھایا ہے اور اس طرح قریش کو سمجھایا ہے کہ تم جس کے وارث بنتے ہو وہ تو توحید کا علمبردار تھا اور شرک کا سخت مخالف تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ساری جدّوجہد شرک کے خلاف تھی اسی حوالے سے اُن کا استدلال بھی بیان فرمایا جو نہایت معقول اور دل میں اُترنے والا ہے۔ اسی اندازِ بیان کو فصاحت اور بلاغت کہتے ہیں۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ (۷۵) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ ۷۵

اِسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کا نظامِ سلطنت دکھایا تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہوں۔

چشمِ بصیرت رکھنے والوں کو ہی خدا اور اُس کا نظام سمجھ میں آسکتا ہے

یعنی جس طرح تم لوگوں کے سامنے آثارِ کائنات زمین اور آسمانوں کی شکل میں نمایاں ہیں، بالکل اُسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بھی یہی آثار اور تخلیقاتِ خدا موجود تھیں۔ مگر تم خدا کی ان نشانیوں کو دیکھ کر غور و فکر نہیں کرتے، مگر حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی نشانیوں کو آنکھیں کھول کر (یعنی چشمِ بصیرت وا کر کے) دیکھا۔ یہی چاند سورج تمھیں جیسا گمراہ اور غافل چھوڑ کر غروب ہو جاتے ہیں، ایسا ہی غافل تمھیں اُس وقت پاتے ہیں جب وہ طلوع ہوتے ہیں مگر انہی کو چشمِ بصیرت رکھنے والے انسان نے دیکھا اور اپنے مالک و خالق و آقا کو پہچان لیا۔

بقول ڈاکٹر اقبالؔ :۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں جو شرک تھا وہ محض ایک مذہبی عقیدہ یا صرف عبادتوں کا مجموعہ ہی نہ تھا، بلکہ اُس قوم کی پوری معاشی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی زندگی کا سارا نظام اسی عقیدۂ شرک پر مبنی تھا۔ اُس کے مقابلے پر

www.drhasanrizvi.org

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو توحید کا پیغام لے کر اُٹھے تھے اُس کا اثر صرف بُتوں کی پوجا پاٹ پر ہی نہیں پڑتا تھا، بلکہ شاہی خاندان کی حاکمیت، معبودیت، پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشی و معاشرتی حیثیت اور پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس کی زد پر آتی تھی۔ اُن کے پیغام کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت اُدھیڑ ڈالی جائے۔ اور اُس کو از سرِ نو توحید کے عقیدے پر اُٹھایا جائے۔ اسی لیے جب حضرت ابراہیمؑ نے توحید کی آواز بلند کی تو سارے عوام و خواص، امیر و حکّام سب کے سب ایک ساتھ اُس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (تفہیم)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے زمین و آسمان پر خدا کی حکومتِ قاہرہ کا مشاہدہ کیا جس کی وجہ سے اُن کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا۔ اور اس طرح معرفت کی زیادتی نے اُنھیں "یقین" کی منزل تک پہنچا دیا۔ (تفسیرِ کبیر)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ: "خدا نے آج تک یقین سے زیادہ بڑی چیز کسی کو عطا نہیں فرمائی۔" (تحف العقول)

خدا نے "امامتِ عظمیٰ" کی علامت ہی "یقین" کو قرار دیا ہے۔"

فرمایا: "اور ہم نے اُن میں امام مقرر کیے تاکہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں۔ جب اُنھوں نے صبر کیا اور ہماری دلیلوں پر "یقین" کیا۔" (قرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "ایک گھنٹہ (ساعت) اللہ کی تخلیقات پر غور و فکر کرنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔" (قرآن میں ۷۵۰ آیات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے)
(اصولِ کافی)

www.drhasanrizvi.org

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ (۷۶) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ ۷۶

(ابراہیمؑ)

توجب رات کا اندھیرا اُن پر چھا گیا تو اُنھوں نے ایک تارا دیکھا تو کہا: یہ میرا پالنے والا مالک ہے مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اُنھوں نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا طریقۂ استدلال

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زور وشور سے مشتری (Jupiter) ستارے اور زُہرہ (Venus) نامی ستارے کی پرستش ہوتی تھی۔ عجیب اتّفاق ہے کہ قدیم مفسّرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ (روح المعانی بقول ابنِ عبّاس رض و قتادہ)

آیت کے اندازِ بیان ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام مخاطب کا قول نقل فرما کر استدلال فرما رہے ہیں۔ بحث ومباحثہ میں آج بھی یہ دستور قائم ہے کہ مخالف کے قول کو بجنسہٖ دُہرایا جاتا ہے۔ خود قرآن ہی میں خدا قیامت کے حال میں فرماتا ہے: "اَيْنَ شُرَكَآءِيَ اللهِ ؟" یعنی اللہ قیامت کے دن خود فرمائے گا "آج اللہ کے شریک کہاں ہیں؟" اِس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم مشرک لوگ خدا کا شریک سمجھتے ہو؟ اِس بیان سے کوئی احمق سے احمق بھی یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ خدا نے اپنے شریکوں کو تسلیم کر لیا۔ اِسی لیے حضرت ابراہیمؑ کے اِس استدلال سے یہ ثابت کرنا کہ وہ خود پہلے مشرک تھے (معاذ اللہ) غلط ہے۔ (تفسیر کبیر۔ بحر)

www.drhasanrizvi.org

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ (۷۷)

پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ ہے میرا پالنے والا مالک۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرا حقیقی پالنے والا مجھے سیدھے راستے پر نہ رکھتا تو میں تو گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۷۸)

پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا بس یہ ہے میرا پالنے والا آقا۔ یہ تو سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو (ابراہیمؑ) پکار اُٹھے: اے میری قوم والو! یقین جانو کہ میں اُن سب سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور لاجواب استدلال

آیت ۷۸: حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تھا تو اُن کے چاروں طرف بڑے دھوم سے چاند، سورج، ستاروں کی پوجا پاٹ ہو رہی تھی۔ اِس لیے حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہدایت کے کام کا آغاز اِسی نقطے سے کیا کہ، کیا واقعی ان میں سے کوئی ہمارا خالق و مالک پالنے والا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے اسی استدلال سے تارے، چاند اور سورج کی خدائی کو باطل ثابت کر دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں سے کسی میں شانِ ربوبیّت کا کوئی عنصر (صفت) بھی موجود نہیں۔ رب تو وہ ہوتا ہے جو سب کو پیدا

www.drhasanrizvi.org

کرے اور سب کو باقی رکھے۔ جو خود ہی غارت ہوجائے وہ بھی کیا کسی کا رب بن سکتا ہے؟ جو خود کسی کے بنائے ہوئے قانون پر دن رات دوڑ بھاگ رہا ہو وہ بھلا کہاں عالمین کا مالک کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے؟

ملاحظہ فرمائیں کہ اسی آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: "مما تشرکون" یعنی جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ نہ فرمایا کہ "جو شرک میں کیا کرتا تھا" اور اب اُس سے بحمد اللہ نکل آیا۔ یہ فرمایا کہ "میں اُس شرک سے بیزار ہوں جو تم کیا کرتے ہو"۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کبھی مشرک نہ رہے تھے۔ (ماجدی)

حضرت ابراہیمؑ کا چاند تارے سورج کو دیکھ کر یہ فرمانا کہ: "کیا یہ میرا رب ہے؟" تو کیا اس کہنے سے وہ عارضی طور پر شرک میں مبتلا ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: "اصل میں یہ ایک مفروضہ تھا جسے اُنھوں نے سمجھانے کے لیے موضوعِ بحث بنایا تھا۔ معلّم جب کسی مفروضے پر گفتگو کرتا ہے تو اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا جن سے لیکر وہ طالبِ علم کو گذرتا ہے، بلکہ اصل اعتبار اُس سمت کا ہوتا ہے جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور اصل اعتبار اُس آخری نتیجے کا ہوتا ہے جس پر وہ گفتگو ختم کرتا ہے۔ درمیانی منزلوں سے مدرّس کو گذرنا ضرور پڑتا ہے" تاکہ طالبِ علم جب اُس مفروضے کو باطل ہوتا دیکھے تو اصل سبق کی حقانیت پر یقین پیدا کرسکے۔ درمیانی منزلوں پر ٹھہرنا تلاش اور جستجو کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ بصورتِ فیصلہ۔ اصل میں یہ ٹھیراؤ سوالی اور استفہامی ہوتا ہے نہ کہ حکمی۔ اُستاد جب ان درمیانی منزلوں سے طالبِ علم کو لیکر گذرتا ہے تو یہ اُس کی آخری رائے نہیں ہوا کرتی، بلکہ سمجھانے کے لیے درمیانی منزلوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ (تاکہ مقصد تک پہنچنے اور سمجھانے میں آسانی ہو)

(ملخص از تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ ۷۹

میں نے تو ہر چیز اور ہر طرف سے ہٹ کر اپنا چہرہ (اپنی توجہ کو) صرف اُس ہستی کی طرف موڑ لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یعنی توحید پرست ہوں)

حضرت ابراہیمؑ پیغمبرِ خدا تھے اس لیے توحید پرست تھے

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ "میں یکسوئی کے ساتھ، سب سے کٹ کر، صرف خدا کی اطاعت کا عہد کرتا ہوں۔ اور صرف اور صرف اللہ کی طرف جُھکتا ہوں۔ (تفسیر کبیر)

یاد رہے کہ سارے مکالمات میں حضرت ابراہیمؑ نے کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں فرمایا کہ جس سے یہ شائبہ بھی ہو سکے کہ کبھی آپؑ نے بھی شرک کیا تھا۔ اور اب بعد میں توحید کا عقیدہ قبول فرمایا۔ (ماجدی) (بھلا غور طلب بات ہے کہ جب خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہی خدا پرست نہ ہو اور وہ بُت پرست ہو جائے اور خدا کی توحید کی تبلیغ نہ کرے اور مشرکوں کی ہاں میں ہاں کرنے لگے تو پھر توحید پرست کون ہوگا؟)

"چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

پیغمبرِ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا

عام مفسرین نے اس پورے واقعے کو ایک حقیقی قصے کے طور پر لکھا ہے۔ اس لیے یہ بھی لکھ ڈالا کہ حضرت ابراہیمؑ نے (معاذ اللہ)

www.drhasanrizvi.org

تین دفعہ جھوٹ بولا لیکن یہ بات کو نہ سمجھنا ہے۔ وہاں کوئی عالمی کانفرنس نہیں ہو رہی تھی کہ جو رات سے شروع ہوئی ہو اور صبح سورج نکلنے تک جاری رہی ہو۔ اور اُس کانفرنس میں ستارہ پرست، بُت پرست، سورج پرست سب کے سب جمع ہوئے بیٹھے ہوں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحقیقات سن رہے ہوں۔ اصل میں یہ اثباتِ حق کا ایک نہایت ہی بلیغ اور مؤثر اندازِ بیان تھا جو فنِ تعلیم کے عین مطابق، نہایت منطقی استدلال کے طور پر تھا، جو آج کی سائنسی تحقیقات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اِس طریقۂ کار میں پہلے ایک مفروضہ قائم کیا جاتا ہے، پھر اس کو یا تو ثابت کیا جاتا ہے، یا رد کر دیا جاتا ہے۔ یہی طریقۂ تحقیق یہاں استعمال ہوا ہے۔ اِس طریقۂ تحقیق میں مخالف کا دعویٰ بعینہٖ پیش کرنا جھوٹ نہیں ہوا کرتا۔ اُس کے قول کو رد کرنے کے لیے اُس کا قول دُہرانا پڑتا ہے۔ خود قرآن نے کافروں مشرکوں، دہریوں، منافقوں، منکروں کے اقوال بار بار دُہرائے ہیں۔ اِس لیے یہ کوئی حقیقی واقعہ نہ تھا بلکہ صرف ایک طریقۂ استدلال اور طرزِ بیان تھا۔

رہ گیا جھوٹ بولنے کا سوال، تو یہ اصول یاد رہے کہ کوئی بات اگر کسی واقعے کو بیان کرنے کے لیے کی جائے تو اُس میں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن جو بات استدلال کے طور پر مخالف کا قول رد کرنے کے لیے بطور مفروضہ کہی جاتی ہے اُس میں جھوٹ سچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات علمی دُنیا میں بہت عام ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کہنا کہ شرک کیا:

دراصل اللہ کے بھیجے ہوئے اولوالعزم پیغمبرؑ پر بہتان ہے اور اللہ کے انتخاب پر اعتراض ہے۔

www.drhasanrizvi.org

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ (۸۰) اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰

اِس پر اُن کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی تو اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اُسی نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ اور میں اُن چیزوں سے نہیں ڈرتا جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھیرایا ہے، سوا اِس کے کہ اگر میرا مالک کوئی بات چاہے۔ میرے پالنے والے آقا کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ آخر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے اور نصیحت کیوں قبول نہیں کرتے؟

حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی اور جرأتِ کردار

معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں نے حضرت ابراہیمؑ کو دھمکی دی تھی کہ تم ہمارے بتوں کو بُرا کہتے ہو، دیکھنا تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔ (کشاف، معالم، مجمع البیان)

اِس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں تمھارے جھوٹے خداؤں سے نہیں ڈرتا۔ جو کچھ ہونا ہوگا وہ میرے ہی خدا کے حکم سے ہوگا۔ (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیمؑ کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، تمھارا اصلی مالک اُس سے بے خبر نہیں، کیونکہ اُس کا علم ساری کائنات پر وسیع ہے۔ پھر کیا اِس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی تم ہوش میں نہ آؤ گے۔ (تفہیم) — حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ "تمھارے دیوتا نہ صفتِ حیات رکھتے ہیں اور نہ قدرت۔ پھر اُن سے مجھے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" (تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ (۸۱) آخر میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے خدا کے
وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ شریکوں سے (کیوں) کیسے ڈروں جب کہ تم لوگ
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ تو خدا کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک
سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ ٹھیراتے تک سے نہیں ڈرتے جن کے متعلق
اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ خدا نے تم پر نہ تو کوئی دلیل اُتاری ہے نہ
تَعْلَمُوْنَ ۸۱ سند؟ تو ہم دونوں فریقوں میں سے
کون ہے جو بیخوفی اور مطمئن رہنے کا زیادہ حقدار ہے (بتاؤ) اگر تم کچھ بھی علم رکھتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم خدا کی منکر نہ تھی، بلکہ؟

یہ آیتیں واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم زمین و آسمان کے ایک خالق کے تصوّر کی منکر نہ تھی۔ بلکہ اُن کا اصلی جُرم یہ تھا کہ وہ دوسروں کو خدائی صفات اور خداوندانہ حقوق میں شریک قرار دیتے تھے۔ اوّل تو آیت ہی میں خود حضرت ابراہیمؑ فرما رہے ہیں کہ: "تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو"۔ پھر یہ کہ آپؑ کا اندازِ بیان ہی ایسا ہے کہ جو بتا رہا ہے کہ آپؑ اُن لوگوں سے بحث فرما رہے ہیں جو اللہ کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔ (تفہیم)

حضرت ابراہیمؑ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ "احمقو! تم مجھے ڈرا رہے ہو، جبکہ میں توحید جیسے سچّے عقیدے پر قائم ہوں۔ پھر بھی میں ڈروں اور تم جو شرک جیسے سب سے بڑے گناہ پر قائم ہو بے خوف بنے رہو! عجیب احمقانہ بات ہے۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ (۸۲) حقیقت میں امن وسکون تو صرف
بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ اُنہی لوگوں کے لیے ہے اور صحیح
هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۸۲ سیدھے راستے پر بھی وہی لوگ ہیں ع ۹ ۱۲ ۱۵
جو خدائے واحد کو مانیں اور پھر اپنے اِس ایمان میں ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ بھی نہ کریں۔

شرک سے بڑا کوئی ظلم نہیں، جو ناقابلِ معافی ہے

حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ:
جب یہ آیت اُتری تو لوگوں نے جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا کہ ہم میں ایسا کون ہے جس نے (گناہ کرکے) اپنے اوپر ظلم نہیں کیا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: آیت کا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اِس ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ اللہ کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمانؑ) فرمایا کرتا تھا۔ "یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۝" (سورۃ لقمان ۳۱ آیت ۱۳) یعنی: "اے میرے بیٹے! کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیراؤ، حقیقتاً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

کسی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا: "آیا زنا بھی اِس ظلم میں داخل ہے؟" فرمایا: "میں زنا سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ مگر اِس آیت میں جو ظلم کے معنی ہیں اُس میں زنا داخل نہیں۔ کیونکہ زنا ایک ایسا گناہ ہے جس سے بندہ جس وقت توبہ کرے تو اللہ اُس کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے۔" (تفسیر عیاشی) (یہ گناہ خرابیٔ نفس کے سبب سے ہوتا ہے خدا سے بغاوت کے سبب نہیں ہوتا) "انسان اپنے ضمیر اور وجود پر سب سے بڑا ظلم اُسی وقت کرتا ہے جب وہ خدائے حقیقی کے ساتھ اُس کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک قرار دیتا ہے۔ قرآن نے شرک ہی کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔" (ابنِ جریر۔ تفسیر کبیر وغیرہ)

www.drhasanrizvi.org

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ ۸۳

(۸۳) اور یہ ہماری وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے پر عطا کی تھی ہم جسے چاہتے ہیں درجوں میں بلندی عطا کرتے ہیں حقیقتاً تمہارا پالنے والا مالک بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۴

(۸۴) پھر ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی' اور ہر ایک کو سیدھا راستہ بھی دکھایا۔ اور اس سے پہلے نوحؑ کو بھی ہم نے سیدھی راہ دکھائی تھی۔ اور اُنہی کی اولاد سے ہم نے داؤدؑ' سلیمانؑ' ایوبؑ' یوسفؑ' موسٰیؑ اور ہارونؑ کو بھی (سیدھی راہ دکھائی تھی) اسی طرح ہم نیک لوگوں کو اُن کی نیکی کا صلہ دیا کرتے ہیں۔

عِلمِ کلام کا شرف

(آیت ۸۳ سے) فقہاء اور محققین نے نتیجہ نکالا کہ جو لوگ علمِ کلام کی بحثوں میں مشغول رہتے ہیں اُن کا شرف اس آیت سے ثابت ہوگیا۔ اور اُن لوگوں کا ردّ بھی ہوگیا جو مناسب موقعے پر بھی بحث و مباحثے کو لاحاصل سمجھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر۔ جصّاص)

اہم انبیاءؑ کا ذکر

حضرت ابراہیمؑ ' حضرت نوحؑ کی گیارھویں پُشت میں تھے۔ آپؑ کا وطن عراق کے دوآبہ دجلہ و فرات کے درمیان تھا۔ آپؑ کا زمانہ ۱۹۹۸ قبل مسیح سے ۲۹۴۸ قبل مسیح سمجھا

www.drhasanrizvi.org

گیا ہے۔

۳ سوال یہ ہے کہ آیت ۸۴ میں کس کی اولاد کا ذکر ہے ؟

اِس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا ذکر سب سے قریب ہے اور اِس لیے بھی کہ بعد میں جن کا ذکر آیا ہے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں۔ (معالم)

لیکن بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مراد لی ہے۔ اِس لیے کہ یہاں اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے فضائل خدا نے بیان فرمائے ہیں۔ نیز یہ کہ اولاد میں، اولادِ دختری بھی شامل ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت داؤد بن یسی علیہ السلام بنی اسرائیل میں بڑے شان و شوکت کے بادشاہ تھے۔ آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، جو انبیاء کرام میں سب سے بڑے بادشاہ گذرے ہیں۔ یہ دونوں ۹۳۲ سنہ سے ۹۶۲ قبل مسیح گذرے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام فلسطین کی مشرقی سرحد پر رہتے تھے۔ بائبل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں پانچویں پُشت میں تھے۔ آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ (حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ مصر کے اور کنعان (فلسطین) کے بادشاہ ہوئے۔ آپ کا زمانہ ۱۸۰۰ سنہ تا ۱۹۱۰ سنہ قبل مسیح تھا۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن پر توریت اُتری، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ہیں جو ۱۴۰۰ سنہ قبل مسیح ہوئے۔ آپ کے بھائی حضرت ہارونؑ آپ سے تین سال بڑے تھے۔ آپ کو قبیلے کی سرداری اور وجاہتِ دُنیا بھی حاصل ہوئی۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ (۸۵) اور (پھر اسی کی اولاد سے) زکریاؑ، اِلْيَاسَ ۗ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی (سیدھا راستہ دکھایا) اُن میں سے ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھا۔

ائمۂ اہلِ بیتؑ کے اولادِ رسولؐ ہونے کا ثبوت

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: "خدا کی قسم! اللہ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کا نسب اس آیت میں بیٹی (یعنی حضرت مریمؑ) کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا دیا۔" پھر امامؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی سے بھی نسب ملتا ہے۔ اسی لیے حضرت فاطمہؑ کی اولاد جناب رسولِ خداؐ کی اولاد ہے) (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "(میرے پدر گرامی) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا کہ آپ خود کو کیسے رسولِ خداؐ کی اولاد بتلاتے ہیں جبکہ آپؑ تو حضرت علیؑ کی اولاد ہیں۔؟ اس پر حضرت امامؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرما کر اُس کا جواب دیا۔ فرمایا "کیونکہ اس آیت میں خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ ہی کے ذریعے سے انبیاءؑ کی اولاد میں شامل فرمایا ہے، اسی طرح ہم بھی انبیاءؑ کی اولاد ہیں اور ہمیں بھی خدا نے حضرت فاطمہؑ کے ذریعے سے اولادِ رسولؐ میں شامل فرمایا ہے۔" (عیون اخبار الرضاؑ)

اِس آیت سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد بھی ذرّیت میں شامل ہوتی ہے۔ (جلالین)

قرآن نے انبیاء کرامؑ کو صالحین فرمایا ہے جبکہ اہلِ کتاب نے جی بھر کے اُن کی سیرتوں کو داغدار بنایا۔ صالحین کے معنی صالحیت میں کامل ترین۔ (بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ الۡيَسَعَ وَ يُوۡنُسَ (۸۶) وَ لُوۡطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ‏ ۸۶	اور (پھر اُسی کی اولاد میں سے) اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (سیدھا راستہ دکھایا) اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام جہانوں سے زیادہ عطا کیا۔

"حضرت الیسعؑ" کے لیے لکھا گیا ہے کہ وہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے اور نبی تھے بعض مفسّرین نے لکھا کہ الیسعؑ حضرت الیاسؑ یا حضرت خضرؑ ہی کا دوسرا نام ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ رہا یہ کہ بعض روایات میں ہے کہ: حضرت خضرؑ پانی پر مقرّر ہیں اور حضرت الیسعؑ خشکی پر۔ اور دونوں ہر رات سدِّ سکندری پر ملاقات کرتے ہیں۔

اور یہ بھی روایات میں ہے کہ حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسعؑ ہر سال موسمِ حج میں اکٹھے ہوتے ہیں اور زمزم پیتے ہیں لیکن یہ سب باتیں جعلی ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ صفحہ ۲۳۴)

حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ ۱۹۳۳ سنہ سے ۲۰۷۰ سنہ قبل مسیح ہوئے الیسعؑ، حضرت الیاسؑ کے جانشین تھے۔ حضرت یونسؑ بن متیٰ "نینوا" جسے آجکل "موصل" کہتے ہیں کے نبی تھے۔ ان کا زمانہ ۸۴۱ سنہ سے ۷۸۱ سنہ قبل مسیح کا تھا۔ حضرت لوطؑ بن ہارانؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ بحرِ لوط جسے آج بحرِ مردہ (DEAD SEA) کہتے ہیں اُس کے کنارے حضرت لوطؑ کی قوم آباد تھی جو ہم جنس پرستی اور چوری وغیرہ بدترین کاموں میں مشہور تھی ان پر ۲۰۶۱ سنہ قبل مسیح عذاب آیا۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۷

(۸۷) نیز اُن کے آباؤ اجداد، اور اُن کی اولاد اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے منتخب کیا) اور انھیں سیدھے راستے کی ہدایت کی۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۸

(۸۸) یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ بھی خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے تو اُن کا سب کیا کرایا اکارت ہو جاتا۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ ۸۹

(۸۹) یہی وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم و حکمت اور نبوت[1] عطا کی۔ اب اگر یہ لوگ اس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ہم نے بھی اس نعمت کو کچھ ایسے لوگوں کے حوالے کیا ہے جو اس کا انکار نہیں کریں گے۔

کتاب، حکم اور نبوت کے معنی

[1] انبیاء کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) "کتاب" یعنی خدا کا پیغام نامہ "ہدایت نامہ" (۲) "حکم" یعنی اس کے بتائے ہوئے اصولوں کو عملی زندگی پر منطبق کرنے کی صلاحیت اور اُلجھے ہوئے مسائل میں فیصلے کی رائے قائم کرنا۔ (۳) "نبوت" یعنی وہ اس ہدایت نامے کو لوگوں تک پہنچائیں اور اُن لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۹۰)	یہ ہیں وہ جنھیں اللہ نے اپنا راستہ دکھایا ہے۔ تو اِن ہی کی ہدایت کی پیروی[۱] کیجیے۔ اور کہہ دیجیے کہ میں اِس پر کوئی معاوضہ یا اُجرت نہیں مانگتا۔[۲] یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت (یعنی) اُن کی بھلائی چاہنا ہے۔

انبیاءؑ کی پیروی محفوظ ترین راہِ ہدایت ہے

[۱] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "عقلمندوں کے لیے (نبی اکرمؐ کی) پیروی کرنے سے زیادہ محفوظ کوئی راستہ نہیں۔ اِس لیے کہ یہ راہ کھلی ہے اور منزل اور مقصد صحیح اور واضح ہے۔ اسی لیے خداوندِ عالم حضورِ اکرمؐ سے فرماتا ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ" یعنی: یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت فرمائی ہے پس اُن کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔"

اگر خدا کے دین کے لیے کوئی اور راستہ (انبیاءؑ کی) پیروی کرنے سے بہتر ہوتا تو خدا وہی راستہ اختیار کرنے کی تاکید فرماتا۔" (تفسیر صافی ص۱۵۹ بحوالہ مصباح الشرائع)

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "سب سے بہتر ہدایت انبیاءؑ کی ہدایت ہے"۔ (تفسیر قمی)

حضرتِ علیؑ نے فرمایا: "تم اپنے نبیؐ کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کیونکہ وہ سب سے افضل (ہدایت) ہے"۔ (نہج البلاغہ)

اَجرِ رسالت کا مقصد: [۲] اب جو رسولؐ نے اجرِ رسالت طلب کیا تھا اور وہ اجر اپنے اقرباءؑ سے محبت تھی جو سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں طلب کیا گیا تھا، کہ

www.drhasanrizvi.org

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى " (شوریٰ آیت ۲۳)

یعنی: "(اے رسولؐ!) کہدیجیے کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا سوا اس کے کہ (میرے) اقربا سے محبت کرو۔" تو اب بتایا جا رہا ہے کہ جو اجر میں نے تم سے اقربا کی محبت کی شکل میں طلب کیا تھا، وہ کوئی میں نے اپنے فائدے کے لیے نہیں طلب کیا تھا۔ وہ تو میں نے تمام عالمین کے فائدے کے لیے طلب کیا تھا کیونکہ اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت میں تمھاری ہی بہتری ہے۔ (فصل الخطاب)

اہلِ بیتِ رسولؐ کی محبت کے سبب سے تم اُن کے پاکیزہ اوصاف کی پیروی کرو گے، اور یہ جذبۂ محبت تمھیں ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے بچائے گا۔ اِس طرح تمھیں دُنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں حاصل ہو جائیں گی۔ اِسی لیے دوسری جگہ فرمایا: مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ " یعنی: "میں نے جو اجر تم سے مانگا ہے، وہ تمھارے ہی فائدے کے لیے مانگا ہے۔" (قرآن)

؎ نیاز اندر قیامت بے سر و ساماں نہ خواہی شد : کہ از حُبّ و تولّائے علیؑ داری تو سامانی

نیازیہ سلسلے کے بانی (نیاز بریلوی) فرماتے ہیں کہ: "نیاز! تو قیامت کے دن بے سر و سامان نہ رہے گا۔ اِس لیے کہ تُو علیؑ کی محبت جیسا قیمتی سامان اپنے ساتھ رکھتا ہو گا۔"

فقہاء نے **نتیجہ** نکالا کہ تعلیمِ قرآن اور روایتِ حدیث جیسی خدماتِ دینی پر معاوضہ طلب کرنا درست نہیں۔ (مدارک) ـــــ محققین نے نتیجہ نکالا کہ قرآن قصّہ کہانی وغیرہ کی کتاب نہیں۔ یہ تو تمام تر ہدایت نامہ اور زندگی کا دستور العمل ہے۔ اور اس کی تعلیمات سارے عالم کے لیے ہیں۔ (تفسیر کبیر - روح)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ (۹۱)
قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ
شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ
الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى
لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ
تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ
عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ
اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ
فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۱

اور اُنھوں نے اللہ کی حقیقی شان اور نعمتوں کو نہ تو سمجھا اور نہ اُس کی قدر کی[1] جب اُنھوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی تو نازل نہیں کیا۔ اُن سے پوچھو کہ پھر وہ کتاب کس نے اُتاری تھی جسے موسیٰؑ لے کر آئے تھے؟ جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی اور جسے تم الگ الگ کاغذوں کے ٹکڑوں میں کرکے رکھتے ہو کچھ تو لوگوں کو دکھاتے ہو اور زیادہ تر حصّہ چُھپا جاتے ہو، اور جس کے ذریعے سے تم کو وہ علم دیا گیا جو نہ تو خود تمھیں ہی حاصل تھا، اور نہ تمھارے باپ دادا کو۔ کہہ دیجیے کہ اللہ، پھر اُنھیں چھوڑ دیجیے (تاکہ) وہ اپنی بے تکی دلیلوں اور اعتراضات سے خوب کھیل کود مچاتے رہیں۔

خدا کی قدر نہ کرنے کا مطلب

[1] حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اُنھوں نے نہ تو خدا کی نعمتوں کو سمجھا اور نہ اُس کی قدر کی۔ خدا کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ اُس سے اعظم ہی ثابت ہوگا۔ (الکافی)

غرض "اُنھوں نے اللہ کو اُس کی واقعی شان کے ساتھ نہیں سمجھا۔ (کیونکہ اُنھوں نے یہ نہ مانا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لیے کتاب اُتاری ہے) اس لیے اُنھوں نے خدا کی قدر نہ کی۔

(تفسیر علی بن ابراہیم، تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.org

جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "خدا کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پس جس قدر بھی خدا کی تعریف کی جائے گی وہ اُس سے بلند ترین ہوگا"

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام نے فرمایا: "اوّل دین خدا کی معرفت ہے، اور معرفت کا کمال (وجود اور عظمتِ خدا کی) تصدیق کرنا ہے۔ اور تصدیق کا کمال توحید کا صحیح عقیدہ ہے (جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے) پس توحید کا کمال اخلاص فی التوحید ہے، اور اخلاص کا کمال نفیِ صفات ہے (یعنی یہ ماننا کہ خدا کے صفات اُس کی ذات کا عین ہیں، اُس سے الگ نہیں) کیونکہ ہر صفت اپنے موصوف سے الگ الگ ہوتی ہے، اور ہر صفت شہادت دیتی ہے کہ وہ غیرِ موصوف ہے۔ اور ہر موصوف شہادت دیتا ہے کہ وہ غیرِ صفت ہے۔ پس اگر خدا کو صفت اور موصوف کا مجموعہ سمجھا جائے گا تو وہ مرکّب ثابت ہو جائے گا۔ پس توحید رخصت ہو جائے گی۔ خدا ذات وصفات کا مرکّب یا مجموعہ نہیں، بلکہ اُس کی تمام صفات عینِ ذات ہیں (کیونکہ) اُس کی ذات بسیطِ مطلق اور مجرّدِ مطلق ہے اُس میں کسی قسم کی ترکیب یا تجزیہ نہیں۔

(اِس لیئے) جس نے خدا کی صفتوں کو اُس کی ذات پر زائد جانا، اور اُسے ذات وصفات کا مجموعہ سمجھا، اُس نے خدا وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ایک اور چیز ملا دی، اور جس نے اِس طرح خدا کے ساتھ ایک اور چیز کو شامل کر لیا، اُس نے اُسے دو کہدیا، اور جس نے دو چیزوں سے اِس طرح ایک مرکّب مان لیا، اُس نے خدا کو جزو جزو بنا دیا، جس نے خدا کے اِس طرح جزو جزو قرار دیے وہ خدا کی معرفت سے جاہل رہا، جو اُس سے جاہل رہا، اُس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا، اور جس نے اُسے

www.drhasanrizvi.org

قابلِ اشارہ سمجھ لیا، اُس نے اُس کی حد بندی کر دی، اور جو اُسے محدود سمجھ بیٹھا وہ اُسے دوسری چیزوں (مخلوقِ خدا) کی قطار میں لے آیا، جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے، اُس نے اُسے کسی چیز کے اندر (ضمن میں) مان لیا، اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے، اُس نے دوسری جگہیں اُس سے خالی سمجھ لیں، وہ (خود سے) ہے، ہُوا نہیں، وہ موجود ہے، مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا، وہ ہر شے کے ساتھ ہے جسمانی اتصال کے ساتھ نہیں، وہ ہر شے سے الگ ہے جسمانی دُوری کے ساتھ نہیں، وہ فاعل ہے مگر حرکات و آلات کا محتاج نہیں، وہ اُس وقت بھی دیکھنے والا تھا جبکہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے کے قابل ہی نہ تھی، وہ یگانہ ہے اِس لیے کہ اُس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے جس سے وہ مانوس ہو اور اُسے کھو کر پریشان ہو جائے۔۔۔۔"

(نہج البلاغہ)

یہودی تورات کو کاغذ کے ٹکڑوں پر الگ الگ لکھتے تھے تاکہ جو حصہ چاہیں لوگوں کو دکھائیں اور جو چاہیں نہ دکھائیں۔ (چھپالیں تاکہ حق بات ظاہر نہ ہو سکے اور اُن کی چودھراہٹ باقی رہے۔)

(جلالین)

اِس آیت پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہودی تو خود تورات کو ایک انسان (حضرت موسیٰؑ) پر نازل شدہ کتاب مانتے تھے، پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا؟

اصل میں یہ یہودیوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہا تھی کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی رسولؐ کی تکذیب کر رہے تھے، خواہ اِس سے خود اُن کی مسلّمہ صداقتوں پر ہی ضرب کیوں نہ پڑے۔ وہ تو رسولِ اسلامؐ کی مخالفت کے جوش میں اِس قدر مدہوش کور اندھے ہو گئے تھے کہ وہ رسولِ خداؐ کی تردید کرتے کرتے خود رسالت ہی کی تردید کرنے لگے۔ انسان دشمنی میں حدوں سے گذر جاتا ہے۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (۹۲) اور (اُسی کتاب کیطرح) یہ بھی ایک کتاب
مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ہے جسے ہم نے ہی اُتارا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت
وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ والی ہے۔ یہ ہر اُس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو
حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ اِس سے پہلے آئی ہے[۱]۔ اور یہ اِس لیے اُتاری گئی
بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ ہے تاکہ آپؐ اِس کے ذریعے سے بستیوں کے اِس
عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ ۹۲ مرکز (مکّہ[۲]) اور اُس کے چاروں طرف رہنے والوں
(یعنی پوری دنیا والوں) کو بُرائی کے انجام سے متنبہ کریں، اور اُن سب کو بھی (متنبہ کریں) جو آخرت
کو مانتے ہیں، اِس کتاب کو بھی مانتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

خدا کا کلام بندوں پر نازل ہو سکتا ہے

اِس آیت میں حقیقتاً خداوندِ عالم نے یہ ثابت کیا ہے کہ بشر پر خدا کا کلام نازل ہو سکتا ہے اور عملاً ہوا بھی ہے۔ پہلی دلیل تو پچھلی آیت میں یہ دی کہ حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی۔ اور کیونکہ جواب یہودیوں کو دیا جا رہا ہے اِس لئے اُسی کتاب کو دلیل میں پیش فرمایا ہے جس کو وہ خود خدا کی کتاب مانتے ہیں۔

قرآن کی صداقت پر چار دلائل : دوسری دلیل یہ کلام ہے جو قرآن کی شکل میں حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوا۔ اِس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے چار دلیلیں پیش کی گئیں : (۱) یہ کتاب بڑی خیر و برکت والی ہے۔ یعنی اِس میں عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین اصول پیش کیے گئے ہیں۔ اِس میں بھلائیوں اور اچھے کاموں کا

www.drhasanrizvi.org

حکم بھی ہے اور ترغیب بھی۔ پاکیزہ زندگی گذارنے کی ہدایت بھی ہے اور جہالت، خود غرضی تنگ نظری، ظلم اور فحاشی، بلکہ ہر قسم کی بُرائی سے روکا بھی گیا ہے۔

(۲) دوسرا ثبوت اِس کتاب کی صداقت کا یہ ہے کہ یہ کتاب پچھلی آئی ہوئی خدا کی کتابوں سے ہٹ کر کوئی مختلف پیغام نہیں پیش کرتی، بلکہ یہ پچھلی ہدایتوں کی تائید کرتی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ، یہ کتاب اُسی مقصد کو لیکر نازل ہوئی ہے جو مقصد ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے آنے والی کتابوں کا رہا ہے یعنی خدا اور آخرت سے غافل لوگوں کو چونکانا اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے باخبر کرنا۔

(۴) چوتھی دلیل اِس کتاب کی صداقت کی یہ ہے کہ اِس کتاب نے اُن لوگوں کی بالکل تائید نہیں کی، جو دُنیا پر حکمرانی کر رہے تھے، اور اپنی خواہشات کے بندے تھے۔ بلکہ اِس کتاب نے اُن لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا جو پاک سیرت اور حق کے متلاشی تھے۔ کیا یہ نتائج کسی ایسی کتاب کے ہو سکتے ہیں جسے کسی جھوٹے (معاذ اللہ) نفس پرست انسان نے از خود گھڑ لیا ہو؟ اُس کو خدا کی کتاب بنا کر پیش کرنے کی مجرمانہ جسارت کر سکتا ہو؟ (تفہیم)

۲ مکّہ کو اُمّ القریٰ کیوں کہتے ہیں؟

مکّہ کو اُمّ القریٰ اِس لیے کہتے ہیں کہ وہ بستیوں کا مرکز ہے۔ بعض نے کہا، اِس لیے اُمّ القریٰ کہتے ہیں کہ مکّہ ہی سے ساری روحانی پرورشوں کا سامان ہوا۔ بعض نے لکھا کہ قدیم جغرافیہ کے اعتبار سے مکّہ آبادِ دُنیا کے وسط میں تھا۔ بعض نے لکھا کہ یہ شہر دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ اور اِس کے اِرد گرد جو آبادی ہے اُس سے مراد ساری دنیا ہے۔

(بیضاوی)

www.drhasanrizvi.org

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی (۹۳) اور اُس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا کہے کہ میری
اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ طرف وحی اُتری ہے جب کہ اُس پر کوئی وحی
مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ نہ اُتری ہو، یا جو یہ کہے کہ میں عنقریب
اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ ایسی ہی چیز اُتار کر دکھا دوں گا؟ کاش
الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ تم ظالموں کو اِس حال میں دیکھ سکو جب وہ
وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ موت کی حالتِ سکرات میں ڈبکیاں
اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ کھا رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ لاؤ! نکالو
كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ اپنی روح، آج تمہیں ذِلّت کی سزا اِس
غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ بات پر دی جا رہی ہے کہ تم اللہ پر جھوٹی
اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۹۳ تہمتیں رکھ کر اُس کی نسبت سے غلط باتیں
کہا کرتے تھے۔ اور اُس کی آیتوں کے مقابلے پر تکبّر کیا کرتے تھے۔

قرآن کے مذاق کرنے کا بدترین انجام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے
روایت ہے کہ یہ آیت ابن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہی وہ شخص ہے جسے حضرت عثمان نے
مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اِس کا خون آنحضرت ؐ نے فتحِ مکّہ کے دن مباح فرمایا تھا۔ یہ شخص شروع میں

www.drhasanrizvi.org

آنحضرتؐ کا کاتب تھا۔ (اور قرآن میں جہاں چاہتا تھا ردّ و بدل کر دیا کرتا تھا، مثلاً) جہاں قرآن میں اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ نازل ہوتا تھا وہاں یہ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ لکھ دیا کرتا تھا۔" بعد میں کہنے لگا کہ میں قرآن اپنے ذوق کے مطابق لکھ سکتا ہوں۔

(تفسیر صافی ص۱۵۹ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی و تفسیر علی ابن ابراہیم و تفسیر قمی)

نیز امامؑ نے فرمایا: "جو شخص (خدا کی طرف سے) امام نہ ہو اور پھر بھی امامت کا دعویٰ کرے، وہ بھی اِس آیت کے حکم میں داخل ہے۔" (تفسیر عیاشی)

نیز امامؑ نے فرمایا: "عَذَابَ الْھُوْنِ" "ذلّت کے عذاب" سے مراد قیامت کے دن کی سخت پیاس کا عذاب بھی ہے۔" (تفسیر عیاشی)

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "یہ آیت مسیلمہ کذّاب کے بارے میں اُتری تھی جس نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اور کچھ نک بندیاں کر کے اسے قرآن کے مقابل پیش کیا تھا۔"
(تفسیر تبیان - بقول حضرت امام محمد باقرؑ)

حضرت رسول اکرمؐ کے زمانے میں کچھ ایسے بدبخت بھی تھے جو قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے نام نضر بن حارث، سعد بن ابی سرح بتائے گئے ہیں۔ (قرطبی بقول عکرمہ)

محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ اگر کوئی شخص خواب تراشے، یا اپنے خیالات کو الہامِ غیبی کہے، وہ بھی اسی آیت کے ضمن میں آتا ہے۔ فقہاء نے لکھا کہ جو شخص خود کو فقہ اور سنّت سے مستغنی سمجھے اور ان کے مقابلے میں اپنی رائے پر عمل کرے، وہ اسی وعید کے تحت آتا ہے۔
(قرطبی - تھانوی)

فرشتوں کا ایسے مجرم سے یہ کہنا کہ "اپنی جان نکال" بطور طنز ہے۔ ورنہ جان تو فرشتے نکال ہی رہے ہوں گے۔ جان کا نکالنا کسی آدمی کے بس کی بات نہیں۔
(تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا (۹۴) (اب اللہ فرمائے گا) ، تو تم اب ہمارے پاس
خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ ایسے ہی اکیلے آئے ہو جیسے کہ ہم نے پہلی
مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ بار تم کو پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تمھیں
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ دنیا میں دیا تھا وہ سب کا سب تم پیچھے
الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ چھوڑ آئے ہو۔ اور اب ہم تمھارے ساتھ
شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ تمھارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے
وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ وہ تمھارے
تَزْعُمُوْنَ ع بارے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ اب ع ۱۱

تمھارے ایک دوسرے سے تمام تعلقات اور رابطے ٹوٹ گئے۔ اور جو کچھ کہ تم غلط خیال کیا کرتے تھے وہ بھی تمھارے پاس سے گم ہو گئے۔

تم اپنی میتوں کو اچھا کفن دیا کرو، کیونکہ ...؟

جب آنحضرتؐ نے یہ آیت حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد (والدۂ حضرت علیؑ) کے سامنے تلاوت فرمائی، تو انھوں نے فرمایا: " ہائے خرابی ! کیا خدا کے حضور ہم برہنہ محشور ہوں گے ؟ " پھر آنحضرتؐ نے اُن کے لیے خدا سے دعا فرمائی کہ خداوندا ! ان کو کفن کے ساتھ محشور فرمانا۔ خدا نے دعا قبول فرمائی " (الخرائج)

حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: " تم لوگ اپنی میتوں کو اچھا کفن دیا کرو، کیونکہ تم اپنے کفنوں میں اُٹھائے جاؤ گے۔ " (الکافی) (معلوم ہوتا ہے کہ کافر قیامت میں برہنہ محشور ہوں گے)

یہ خطاب کافروں سے روزِ قیامت ہوگا کہ اب وہ تمھارے ساتھ جو پارٹیاں اور وڈیرے لشکر تھے جن پر تمھیں بڑا گھمنڈ تھا، وہ سب کہاں ہیں ؟ اب تم اکیلے جیسے بھیجے گئے تھے ویسے ہی آئے ہو۔ (قرطبی - روح المعانی)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ (۹۵) یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے
یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ والا ہے۔ وہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے
وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ پھر
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۹۵ تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو؟

نشانیوں پر دعوتِ غور و فکر

تفسیر بُرہان میں مفضّل بن عمر سے

روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اِس کی تاویل یہ منقول ہے کہ "حَبّ" (دانے) سے مراد ہے "مومن" اور "نوٰی" (گٹھلی) سے مراد ہے "کافر"۔ اور اسی طرح زندہ سے مراد "مومن" اور "مردہ" سے مراد "کافر" بھی مروی ہے۔ یعنی۔ مومنوں سے کافر پیدا ہو جاتے ہیں اور کافر سے مومن پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ خدا دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس دانہ اور گٹھلی جو از قسمِ جمادات ہیں، اُن سے زندہ پودے اُگاتا ہے جو از قسمِ نباتات ہیں، اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیوں کو پھر پیدا کرتا ہے۔ اِسی طرح منی سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور انسان سے منی کو پیدا کرتا ہے۔ انڈوں سے پرندے اور پرندوں سے انڈے پیدا کرتا ہے۔" (تفسیر انوار النجف جلد ۵ صـ ۲۴۲ بحوالہ تفسیر برہان)

مطلب یہ ہے کہ خدا کی تخلیق، مرد عورتوں کی تفریق، نسلوں کے بعد نسلوں کا پیدا ہوتے رہنا، بچّے کا ماں کے رحم میں قرار پانے سے لیکر قبر کے اندر تک پہنچ جانے کا طویل سفر کے دوران خدا کی بیشمار نشانیاں اور دلیلیں انسان کے سامنے آتی ہیں جن سے اگر وہ چاہے تو خدا کو پہچان سکتا ہے مگر یہ پہچان غور و فکر اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے ہے۔ ..... (ملخص تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.org

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ۹۶

(۹۶) پردے کو پھاڑ کر وہی صبح کو نکالنے والا ہے۔ اُسی نے رات کو آرام وسکون کا وقت بنایا ہے اُسی نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیرائے ہوئے اندازے اور مقرر کیا ہوا نظام ہے۔

شب و روز کا نظام شمس وقمر کا حساب

سورج کے طلوع وغروب سے دن اور رات بنتے ہیں، جن سے ہفتے، مہینے اور پھر سال بنتے ہیں۔ اِسی طرح چاند کے نکلنے یا نہ نکلنے سے بھی مہینے اور سال بنتے ہیں۔ اِس لیے خدا نے دونوں کو حساب میں داخل کیا۔ مگر قرآن نے اِس حساب کے سلسلے میں چاند کو اہمیت دی۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں قمری تاریخیں معتبر ہیں۔ (فصل الخطاب)

مطلب یہ ہے کہ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ سارا نظامِ ارضی ونظامِ فلکی یونہی اٹکل پچّو نہیں چل رہا ہے۔ یہ سب اُسی قانون اور ضابطے کے ماتحت چل رہا ہے جو اُس غالب اور قادرِ مطلق نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب (عزیز) ہے، اِس لیے اُس کے کاموں میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ اور کیونکہ وہ ہر چیز کا پوری طرح جاننے والا (علیم) ہے اِس لیے اُس کا ہر عمل، ہر جنبشِ تکوینی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے پُر ہے۔ غرض "عزیز" سے اُس کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے، اور "علیم" سے اُس کے کمال علم کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر) "حُسبانًا" یعنی سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یعنی مصالحِ خلق کے عین تناسب کے مطابق قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ (۹۷)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو مقرر کیا ہے تاکہ تم اُن سے صحرا اور سمندر کے اندھیروں میں صحیح راستہ معلوم کرو۔ ہم نے علم رکھنے والوں کے لیے اپنی باتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔

صاحبانِ علم کیلئے نشانیاں ہیں

ستاروں سے صرف وہی لوگ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جو اُن کے مقامات، علامتوں اور چالوں کو جانتے ہیں۔ اِسی لیے آخر میں فرمایا: "اُن کے لیے جو جاننے والے ہوں" (تفسیر تبیان)

آیت کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی نشانیوں سے اس حقیقت کو سمجھنا کہ اِس کائنات کا صرف ایک ہی مالک اور پالنے والا ہے، صرف صاحبانِ علم کا کام ہے۔ اِن نشانیوں سے توحید کی حقیقت تک پہنچنا جاہلوں کے بس کی بات نہیں۔ یہ بات صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علمی نقطۂ نظر سے آثارِ کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (تفہیم) — اِسی لیے قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:
"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (حقیقتاً اللہ سے صرف صاحبانِ علم ہی ڈرتے ہیں)[1]

آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام اجرامِ سماوی خود انسان کو نفع پہنچانے کے لیے رات دن ٹکٹکی کا ناچ ناچ رہے ہیں۔ خادموں کی طرح دوڑ بھاگ رہے ہیں۔ تم اُلٹے اُن ہی کی پوجا پاٹ کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ تم نے خادموں کو مخدوم سمجھ رکھا ہے۔

اور جاننے سے یہاں مراد عقل و فکر اور استدلال ہے۔ (تفسیر کبیر)

[1] سورۃ ۳۵ فاطر - آیت ۲۸

www.drhasanrizvi.org

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ (۹۸) نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝ ۹۸

اور وہ خدا وہی تو ہے جس نے ایک شخص سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک ٹھیرنے کی جگہ (باپ کی پُشت) اور سونپے جانے کا مقام (شکمِ مادر یا قبر) مقرّر کیا۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ باتیں بیان کردی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھنا چاہتے ہیں

ٹھیرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "اللہ نے انبیاؑ کو نبوّت پر پیدا کیا پس وہ سوائے نبی کے کچھ نہیں، اور مومنین کو ایمان پر پیدا کیا (یعنی اُن کو ایمان کی صلاحیت عطا کی) اِس لیے وہ سوائے مومنین کے کچھ نہیں ہوں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اُن کا ایمان عاریتًا (عارضی) ہے۔ پھر اگر خدا چاہے گا تو اُن کے ایمان کی تکمیل کردے گا اور چاہے گا تو اُن کا ایمان سلب کرلے گا (اس کا دار و مدار اُن کے طرزِ عمل پر ہوگا)۔ پس اِس آیت کا حکم مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ یعنی (ایمان کے) ٹھیرنے کی جگہ اور سونپے جانے کا مقام" ایسے ہی لوگوں پر بھی نافذ ہوگا۔"

پھر امام ؑ نے یہ بھی فرمایا کہ: "فلاں شخص کو ایمان سپرد کیا گیا تھا، مگر جب اُس نے ہمارا نام لے کر جھوٹ بولا، تو اُس کا ایمان سلب کرلیا گیا۔" (تفسیر صافی صفحہ ۱۶۹ بحوالہ الکافی)

(تفسیر اگلے صفحے پر مسلسل ہے ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

غرض "فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ" "ٹھیرے کی جگہ اور سونپنے کی جگہ" کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں جن کو علامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر مجمع البیان "میں لکھا ہے: قریبی مفہوم یہ ہو سکتا ہے: "مستقر" "ٹھیرنے کی جگہ" سے مراد "صلبِ پدر ہے اور "مستودع" "سونپنے کی جگہ" سے مراد "رحمِ مادر" ہے۔ یا اس کے برعکس۔ (جلالین، فصل الخطاب، قرطبی، تفسیر کبیر)

صافی میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ: "مستقر" سے مراد "ایمانِ ثابت" ہے اور "مستودع" سے مراد وہ ایمان ہے جو موت سے پہلے سلب ہو جائے۔ (بحوالہ انوار النجف ج ۵ ص ۲۴۳)

ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھو تاکہ ایمانِ کامل کے ساتھ موت واقع ہو:۔

تفسیرِ برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ سلیمان دیلمی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے ایسی دعاء تعلیم فرمائیے جس کی بدولت خدا مجھے "ایمانِ مستقر" عطا فرمائے اور کامل الایمان ہو کر مروں۔ آپؑ نے فرمایا: "ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرو:" "رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِالْقُرْاٰنِ كِتَابًا وَّ بِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّ بِعَلِيٍّ وَّلِيًّا اِمَامًا وَّ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَ الْاَئِمَّةِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ رَضِيْتُ بِهِمْ اَئِمَّةً فَارْضَنِيْ لَهُمْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔"

آیت کا پیغام:۔ یہ ہے کہ (۱) انسان کی تخلیق (۲) اُس کے اندر مرد و زن کی تفریق (۳) توالد و تناسل کا طویل سلسلہ (۴) رحمِ مادر میں بچے کا قرار پانا (۵) قبر میں سونپے جانے تک زندگی کے مختلف ادوار میں خدا کی بیشمار واضح نشانیوں پر غور و فکر کرنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے اور اُس کی معرفت صاحبانِ عقل کو ہو سکتی ہے۔ (ملخص از تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۹۹)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اُگائی۔ پھر اُس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کیے۔ پھر اُن سے تہ در تہ ایک دوسرے سے گُتھے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں میں سے پھلوں کے گُچھے کے گُچھے پیدا کر دیے، جو زمین کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگا دیے، جو ایک دوسرے سے بظاہر ملتے جلتے بھی ہیں، پھر ہر ایک کی خصوصیات اور مزے مختلف ہیں جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو اُن میں پھل آنے اور پھر اُن کے پکنے کی حالت کو ذرا غور و فکر کی نظر سے تو دیکھو۔ ان چیزوں میں خدا کی دلیلیں اور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔

پھلوں اور بادلوں کی تخلیق پر غور کرو

" پھلوں کے پیدا ہونے میں کیسی کیسی حکیمانہ باریکیاں ہیں۔ کس قدر باریک کیمیادی اور طبعی تغیرّات اور مرکبّات سے کام لیا گیا ہے۔ پھر اُن کی خوشبو، مزہ، رنگ، جسامت اور غذائیت پر نظر ڈالنا کس قدر سبق آموز ہے۔ " یہاں "دیکھنے" سے مراد غور و فکر کرنا سبق لینے کے لیے۔ (قرطبی۔ مدارک)

www.drhasanrizvi.org

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۟ ۱۰۰

(۱۰۰) (اِس کے باوجود بھی) لوگوں نے جِنّوں[۱] کو اللہ کا شریک ٹھیرا دیا۔ حالانکہ خدا ہی نے تو اُن کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور اُنھوں نے بے جانے بوجھے جہالت سے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تک تصنیف کردیں (گھڑ ڈالیں)۔ حالانکہ وہ (خدا) تو پاک و منزّہ ہے اور بلند تر ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ (اُس کیلئے) کہتے ہیں۔

ع ۱۲/۱۸

جِنّ کے معنی اور آیت میں مراد ؟

[۱] "اِس آیت میں "جِن" سے مراد فرشتے بھی لیے گئے ہیں۔ (کیونکہ "جِن" ہر اُس مخلوق کو کہتے ہیں جو دکھائی نہ دے) یہ اِس لیے فرمایا کہ کافروں نے فرشتوں کو خدا کا شریک ٹھیرایا تھا اور وہ فرشتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔" ـــــــ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہاں جِنّوں سے مراد شیاطین ہیں۔ کیونکہ کفّار جِنّوں کی ایسی اطاعت کرتے تھے جیسی خدا کی اطاعت کی جانی چاہیئے اور انھیں کے بہکانے سے بُتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا خیر کا خالق ہے اور ابلیسؑ شر کا خالق ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۶۰)

بعض کہتے ہیں کہ آیتِ مجیدہ میں مجوس کے عقیدے کی تردید ہے جنھوں نے دو[۲] خدا مانے تھے۔ یزداں اور اہرمن۔ یعنی فائدے مند اور اچھی چیزوں کا خالق یزداں ہے۔ اور نقصان دہ چیزوں کا خالق اہرمن یعنی شیطان ہے۔ تو اُنھوں نے خلق میں اہرمن کو یزداں کا شریک مان لیا۔ جس طرح ثنویّہ گروہ نور اور ظلمت کو دو[۲] خدا مانتے ہیں کہ نور تو خیر کا خالق ہے اور ظلمت شر کی خالق ہے۔ (لیکن اللہ تو اِن سب بیہودگیوں سے منزّہ و پاک ہے) (تفسیر انوار النجف ج ۵ ص ۲۰۸)

www.drhasanrizvi.org

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (۱۰۱) وہ تو آسمانوں اور زمین کا ایجاد
اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ کرنے والا ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کیسے
تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ ہوسکتا ہے جبکہ اُس کی کوئی بیوی
كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ (صاحبہ) ہی نہیں ہے۔ جبکہ اُسی نے
عَلِيْمٌ ۝ ۱۰۱ ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ تو ہر ہر
چیز کا جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ (۱۰۲) یہ ہے تمہارا پالنے والا مالک،
اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ہر ہر
فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اُسی
كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ ۱۰۲ کی بندگی اختیار کرو۔ وہی ہر چیز
کا وکیل، کام بنانے والا اور نگہبان ہے۔

(آیت ۱۰۱) محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کا ہر چیز کے خالق ہونے اور اُس سے متعلق ہر چیز کے عالم ہونے کا تعلق ہے۔ کیونکہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق بھی ہے اور ہر چیز کا علم بھی رکھتا ہے۔ خدا سے باپ ہونے کے رشتے کا قیاس کرنا، حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق، مالک اور پالنے والا ہے۔ (اگر خدا کی بیوی (صاحبہ) ہوتی تو ابتک اُس سے بیشمار خدا کے بیٹے خدا ہی پیدا ہوجاتے۔ جیسے اُس کی مخلوق ارضی کی اولاد انسانوں سے انسان، جنوں سے جن، جانور سے جانور پیدا ہوتے ہیں۔)

www.drhasanrizvi.org

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ (۱۰۳) اُسے نگاہیں پا ہی نہیں سکتیں
وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔
وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۰۳ اور وہ جسم و جسمانیات اور مادّیات سے بَری، بڑا خبر رکھنے والا ہے۔

خدا کو خیال کی آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا: "اِس آیت میں "ابصار" (یعنی) "نگاہوں" سے مراد "احاطۂ وہم و خیال" ہے۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے فرمایا: "تمھارے پاس خدا کی بصیرتیں (ابصار) آچکی ہیں"۔

غرض اِس سے مراد صرف آنکھوں کی بینائی نہیں، اور نہ اِس سے آنکھوں کا اندھا ہونا مراد ہے، بلکہ اِس سے مراد "احاطۂ وہم و خیال ہے" (تفسیر صافی ص ۱۲۱)

خدا کا دیدار آخرت میں ؟ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو خدا کو دیکھنے کے قائل ہیں۔ حضرت امام ؑ نے فرمایا: "جس شخص نے خدا کی صفتیں اِس طرح بیان کیں جس طرح خدا نے اپنی ذات کے لیے بیان نہیں فرمائیں تو اُس نے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ خدا نے اپنے لیے یہ فرمایا ہے کہ "اُسے نگاہیں پا ہی نہیں سکتیں" نگاہوں سے مراد صرف آنکھیں ہی نہیں، بلکہ احاطۂ وہم و خیال بھی ہے۔ یعنی، خدا کو نہ تو ظاہری آنکھیں پا سکتی ہیں اور نہ دل کی آنکھیں۔ یعنی وہم و خیال تک اُس کی

www.drhasanrizvi.org

ذات وصفات تصوّر نہیں کر سکتے۔ (تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی)

؎ اے برتر از گمان و خیال و نگاہ و وہم
ما ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

یعنی: اے وہ ذات جو گمان و خیال و نگاہ و وہم سے بلند تر ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا سنا یا پڑھا ہے وہ (خدا) اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ بلند و برتر و بالا ہے۔

دِعْلَب یمانی نے امیر المومنین علیہ السلام سے سوال کیا: یا امیر المومنینؑ! کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: (تمہارے خیال میں) کیا میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے دیکھا تک نہیں؟ اُس نے عرض کیا: آپ کیونکر اُسے دیکھتے ہیں؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا: (سنو!) "لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ وَلٰكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوبُ بِحَقَائِقِ الْإِيمَانِ قَرِيبٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ غَيْرُ مُلَامِسٍ بَعِيدٌ مِنْهَا غَيْرُ مُبَايِنٍ مُتَكَلِّمٌ لَا بِرَوِيَّةٍ مُرِيدٌ لَا بِهِمَّةٍ صَانِعٌ لَا بِجَارِحَةٍ لَطِيفٌ لَا يُوصَفُ بِالْخَفَاءِ كَبِيرٌ لَا يُوصَفُ بِالْجَفَاءِ بَصِيرٌ لَا يُوصَفُ بِالْحَاسَّةِ رَحِيمٌ لَا يُوصَفُ بِالرِّقَّةِ تَعْنُو الْوُجُوهُ لِعَظَمَتِهِ وَتَجِبُ الْقُلُوبُ مِنْ مَخَافَتِهِ۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۷)

یعنی: "آنکھیں اُسے کھلّم کھلا نہیں دیکھتیں، بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اُسے درک کرتے (پہچان، سمجھ لیتے) ہیں۔ وہ ہر چیز سے قریب ہے لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں، وہ ہر شے سے دُور ہے، مگر الگ نہیں، وہ غور و فکر کیے بغیر کلام کرنے والا اور بغیر آمادگی کے قصد و ارادہ

www.drhasanrizvi.org

کرنے والا ہے اور بغیر اعضاء (کی مدد) کے بنانے والا ہے۔ وہ لطیف ہے، لیکن پوشیدگی سے اُسے متّصف نہیں کیا جاسکتا؛ وہ بزرگ و برتر ہے، مگر تُندخوئی اور بدخُلقی کی صفت اُس میں نہیں۔ وہ دیکھنے والا ہے، مگر حواس سے اُسے موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ رحم کرنے والا ہے، مگر اس صفت کو نرم دلی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ چہرے اُس کی عظمت کے سامنے ذلیل وخوار اور دل اُس کے خوف سے لرزاں و ہراساں ہیں۔"

(ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہٗ)

محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ: اِس آیت نے قطعی فیصلہ کردیا کہ خدا کو نہ تو دُنیا ہی میں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ صرف خدا کی نشانیوں اور دلیلوں کے ذریعے سے خدا کو پہچانا جاسکتا ہے۔ یہی وہ عقل کا امتحان ہے جس میں کامیابی پر انسان کے تمام کمالات کا دار و مدار ہے۔ کیونکہ اِس آیت کے مطابق خدا نے خود کو "لطیف" فرمایا ہے: یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف (Abstract) ہے کہ نگاہیں تو کیا اُسے پائیں گی، وہ کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اب یہ کہنا کہ "قیامت میں نگاہیں اُسے پالیں گی"۔ تو کیا قیامت کے دن خدا کی ذات و صفات بدل جائیں گی؟ قیامت خدا پر نہیں، مخلوق پر آئے گی۔

"اِس لیئے عقلاً اور نقلاً یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی مخلوق کبھی خدا کو نہیں دیکھ سکتی۔"

"نگاہیں اُسے نہیں پاسکتیں" اِس میں دنیا و آخرت کی کوئی قید نہیں۔ مگر شاہ ولی اللہ نے خود اپنی طرف سے ترجمے میں بڑھادیا: (در دُنیا)۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن خدا وہ خدا نہیں رہے گا، جو پہلے تھا، کیا قیامت کے دن خدا کا کمال ختم ہوجائیگا اور اُس کا جلال کم ہوجائیگا"؟

(ملخص از فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۱۰۴

(۱۰۴) تمہارے پاس تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں۔ اب جو اِن پر نظر کرتے ہوئے بینائی سے کام لے گا، وہ خود اپنے ہی کو فائدہ پہنچائے گا۔ اور جو اندھا بنا رہے گا، وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اور میں کوئی تمہارا پہرے دار (ذمّے دار) تو نہیں ہوں۔

رسولِ خدا ؐ کا اصل کام

لے "میں تم پر پاسبان نہیں ہوں"

یعنی: میرا کام بس اتنا ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی روشنی تمہارے سامنے پیش کر دوں۔ اِس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ کام نہیں کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے خود اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، اُن کی آنکھیں زبردستی کھولوں۔ اور جو کچھ وہ نہیں دیکھنا سمجھنا چاہتے وہ اُنھیں دکھا سمجھا کر ہی دم لوں۔

(تفہیم)

قرآن کے دلائل اور رسول ؐ کے معجزات سب کے سب "بَصَائِرُ" میں داخل ہیں۔
(قرطبی ۔ ابن کثیر)

اِس آیت سے عرفاء نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ وہ راہِ حق دکھانے کے بعد کسی کے پیچھے نہیں پڑتے۔ (تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ (۱۰۵) اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بار بار
وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ حق کی باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ یہ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۰۵ کہیں کہ واقعی آپؐ نے (اُن کو ہمارے سامنے)
خوب خوب پڑھا ہے، اور اِس لیے بھی کہ ہم اُس (حقیقت) کو صاف صاف بیان
کردیں، اُن لوگوں کے لیے جو جاننا چاہتے ہیں۔

قرآن کھرے اور کھوٹے انسان کی کسوٹی ہے

خدا کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے امتحان کا ذریعہ بن گیا ہے جس سے کھوٹے اور کھرے انسان کی تمیز ہو جاتی ہے۔ ایک قسم کے انسان تو وہ ہیں جو قرآن کو پڑھ کر یا سُن کر اُس کے مقصد اور تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور اُن کو عملی جامہ پہنانے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بجائے قرآن پر غور و فکر کرنے کے اِس ٹٹول میں لگ جاتے ہیں کہ آخر یہ اُمّی انسان ایسے اعلیٰ مضامین کہاں سے لے آیا؟ اور کیونکہ وہ اپنی تحقیق کو تنگ نظری اور تعصب سے شروع کرتے ہیں، اِس لیے سوا اِس بات کو ماننے کے، کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے، وہ ہر دوسرے تیسرے چوتھے امکان کو تجویز کرتے چلے جاتے ہیں۔ (کبھی کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) کوئی ایرانی اِنھیں پڑھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ پُرانی کتابوں کا نچوڑ یا پُرانے قصّے کہانیاں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ) اور پھر اپنی احمقانہ تحقیق کو عالمانہ انداز سے اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ بڑے محقّقِ اعظم ہیں کہ اُنھوں نے قرآن کے مآخذ کو معلوم کرلیا ہے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ (۱۰۶) آپؐ تو اُس وحی کی پیروی کیجیے، جو
رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ آپؐ کے پالنے والے کی طرف سے آپؐ پر
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ ۱۰۶ اُتری ہے۔ کیونکہ اُس کے سوا کوئی اور
معبود نہیں ہے۔ اور اِن مشرکوں سے اعراض فرمائیے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا (۱۰۷) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ
جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَ کرتے۔ اور ہم نے آپؐ کو اُن کے اوپر
مَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝ ۱۰۷ کوئی پہرے دار مقرر نہیں کیا ہے۔ اور
نہ آپؐ اُن کے ٹھیکیدار ہیں۔[۱]

رسولِ خداؐ کی ذمّے داری کی حد

[۱] (آیت ۱۰۷) آیت کا مقصد رسولؐ کو تسلّی دینا ہے کہ اگر مشرک اور کافر حق بات نہیں مانتے تو اُن کے افعال کی ذمّے داری آپؐ پر نہیں ہے۔ آپؐ صرف اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اِس سے کوئی مطلب ہی نہ رکھیں کہ وہ مانتے ہیں یا نہیں مانتے۔ خدا کو بہر حال جبر سے کام نہیں لینا۔ اگر اُسے جبر سے کام لینا ہی ہوتا تو دنیا میں ایک بھی مشرک نہ ہوتا۔ (تفسیر تبیان)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: اے رسولؐ! تمھاری جوابدہی اور ذمّے داری میں یہ بات شامل ہرگز نہیں ہے کہ کیوں کوئی شخص تمھاری قوم میں باطل پرست باقی رہ گیا۔؟ اِس لیے اِس فکر میں گھلنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اندھوں کو کس طرح حق دکھایا جائے اور

www.drhasanrizvi.org

جو لوگ آنکھیں کھول کر دیکھنا ہی نہیں چاہتے اُن کی آنکھیں کس طرح کھولی جائیں۔ اگر اللہ کو یہی مقصود ہوتا کہ دُنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہے تو اللہ کو تمہیں بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ کام تو ایک ادنیٰ سے تکوینی اشارے ہی پر ہو جاتا اور کسی کو باطل پرستی کی اجازت ہی نہ ملتی۔

اللہ کا مقصد تو یہ ہے کہ ہر شخص کو حق اور باطل کے انتخاب کی اجازت دی جائے پھر حق کو اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور پھر اس کی عقل اور عمل کا امتحان لیا جائے کہ وہ کس کا انتخاب کرتا ہے۔ لہٰذا تم حق کی روشنی پھیلاتے رہو اور جو تمہاری دعوت قبول کرلیں اُن کو سینے سے لگاتے رہو، خواہ وہ لوگ دُنیوی اعتبار سے کتنے ہی حقیر کیوں نہ ہوں۔ اور جو باطل کی طرف جانے پر مُصر ہیں اُن کی راہ چھوڑ دو۔ کیونکہ تم اُن کے ٹھیکیدار یا حوالہ دار نہیں ہو۔ (تفہیم)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ: "اے رسولؐ! فرطِ محبت اور شفقت کی وجہ سے ان ضدّی حق دشمنوں کے حال پر زیادہ غم نہ فرمائیں۔ آپؐ اپنی توجّہ قرآن اور وحی کی طرف مرکوز رکھیں۔ مشرکوں کی زیادہ فکر نہ فرمائیں۔ اللہ کی عبادت فرمائیں اور اپنا کارِ تبلیغ (قرطبی)

تفسیرِ اہلِ بیتؑ میں ہے کہ: "اگر خدا چاہتا تو سب لوگ مومن و معصوم ہوتے اور کوئی گنہگار نہ ہوتا۔ پھر جنّت و دوزخ کی احتیاج نہ ہوتی۔ پس اُس نے استحقاقِ ثواب و عتاب کے لیے انسانوں کو کرنے اور نہ کرنے کی طاقت بھی دی، اختیار بھی دیا اور حجت بھی تمام کی اور اپنے اوامر و نواہی سے بھی اُن کو آگاہ کر دیا۔ (بحوالہ تفسیر انوار النجف ج ۵ ص ۲۴۶)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ شرک خدا کی مشیّتِ تکوینی سے باہر نہیں۔ (قرطبی، مدارک)

www.drhasanrizvi.org

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ (۱۰۸) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۰۸

یہ لوگ اللہ کے سوا خدا سمجھ کر جن کو پکارتے ہیں، اُنھیں گالیاں نہ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی جہالت کی بناء پر وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ یوں ہی ہم نے ہر قوم کے کردار کو سنوارا ہے۔ (یعنی عقلی دلیلوں اور شائستگی سے اُن کی اصلاح کی جائے) پھر اُنھیں اپنے رب کی طرف پلٹ کر آنا بھی تو ہے۔ اُس وقت وہ اُنھیں بتا دے گا، جو کچھ کہ وہ کیا کرتے تھے۔

کسی کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو، ورنہ وہ تمھارے سچّے خدا کو بُرا بھلا کہیں گے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "جس شخص نے اللہ کے مقرّر کیے ہوئے انسان کو گالی دی، اُس نے خدا کو گالی دی۔" (تفسیر عیاشی)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "جس نے خدا کے کسی دوست کو بُرا بھلا کہا تو اُس نے خدا کو بُرا کہا۔" (الاعتقادات)

آیت نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم دوسروں کے جھوٹے خداؤں اور رہنماؤں کو علانیہ بُرا بھلا نہ کہیں۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارے دشمن جسارت کر کے ہمارے خدا اور ہمارے نبیؐ یا ائمہؑ کو گالیاں دیں گے۔ پھر اِن گالیوں کی ذمّے داری ہم پر ہوگی۔

(تفسیر اگلے صفحے پر مسلسل ہے ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا: "تم میں بہت بُرا وہ شخص ہے جو اپنے باپ کو گالیاں دے"

لوگوں نے عرض کیا: حضورؐ! اپنے باپ کو تو کوئی بھی گالیاں نہیں دیتا۔

آپؐ نے فرمایا: "اگر تم دوسرے کے باپ کو گالیاں دو گے تو وہ بھی تمھارے باپ کو گالیاں دے گا۔ (تو یہ ایسا ہی ہے) گویا تم نے اپنے باپ کو گالیاں (دیں) دلوائیں۔" (الحدیث)

(۵)

بروایت تفسیر عیاشی: آنحضرتؐ نے فرمایا: "یا علیؑ! جو تمھیں سب کرے (گالی دے) گویا اُس نے مجھے سب کیا، (جس نے مجھے سب کیا اُس نے) گویا اللہ کو سب کیا، اور ایسا شخص اُلٹے منھ دوزخ کے حوالے کر دیا جائے گا۔" (بحوالہ انوار النجف ج۵ ص۲۴۶)

نتیجہ ۱

(۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے بیزار رہنا عینِ ایمان ہے لیکن دشمنانِ خدا و رسولؐ کے سامنے ایسی بات کرنا جو توہینِ ائمہؑ اور سبکیِ مذہبِ حقّہ کی موجب ہو، جائز نہیں ہے۔ (تفسیر انوار النجف ج۵ ص۲۴۶)

خدا کا فرمانا: "یوں ہی ہم نے ہر قوم کے کردار کو سنوارا ہے"!

یعنی: ہم ہمیشہ صحیح طرزِ عمل اور اچھے کردار ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ (مجمع البیان)

اِس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "جو لوگ گالم گلوچ کرتے ہیں" ہم نے بھی انھیں ایسا کرنے کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ اور اِس طرح اُن کے اعمال اُن کو درست نظر آتے ہیں"۔ اگر یہ ترجمہ کیا جائے تو بھی درست ہوگا۔ یہاں اللہ نے اُن کو اِس لیے چھوڑ دیا ہے کہ اُنھوں نے اپنے

www.drhasanrizvi.org

اختیار کو غلط استعمال کیا۔ اسی لیے آخر میں فرمایا: "پھر انھیں اپنے رب کی طرف پلٹ کر آنا بھی ہے"۔ یعنی اُس وقت اُن کو سزا دی جائے گی۔ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

تعلیم: خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسولِ اکرمؐ کے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تبلیغِ اسلام کے جوش میں بے قابو ہو کر مناظرے سے آگے بڑھ کر منکروں کے پیشواؤں کو گالیاں دینے پر نہ اُتر آئیں۔ کیونکہ یہ چیز اُن کو حق کے قریب لانے کے بجائے اور دور کر دے گی، اور یہ افراط ہے۔ یعنی حدِ اعتدال سے آگے بڑھ جانا ہے۔

رہا خدا کا یہ فرمانا کہ: "یوں ہی ہم نے ہر گروہ کے لیے اُس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے" اس میں خدا نے بظاہر گمراہی کی نسبت اپنی طرف ضرور دی ہے، یعنی، اس کو اپنا فعل قرار دیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادیٔ عمل اور اختیارِ عمل کا نظام خدا ہی نے بنایا ہے اس لیے جو کچھ بھی ہو رہا ہے خدا ہی کے اس قانونِ تکوینی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس لیے خدا نے اسی بات کو یوں فرمایا ہے کہ: "ہم نے ایسا کیا ہے"۔ یعنی، ہم نے ایسا قانون وضع کیا ہے۔ (تفہیم)

نتیجہ ۲ اس آیت سے فقہاء نے **نتیجہ** نکالا کہ جو اطاعت واجب نہ ہو، اور کسی گناہ کا سبب بنے، اُس کو ترک کر دینا چاہیے۔ (قرطبی۔ ابنِ عربی)

کیونکہ بُتوں کو بُرا کہنا مباح ہے، مگر جب وہ کسی کارِ حرام کا سبب بن جائے تو قبیح ہو جائے گا۔ اس لیے یہ قاعدہ بنایا گیا کہ اگر کوئی کارِ مباح، حرام کا سبب بنے، تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ (جصاص۔ تھانوی)

www.drhasanrizvi.org

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۰۹

(۱۰۹) اور اُنھوں نے تمام ممکنہ صورتوں کے ساتھ بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ اگر کوئی معجزہ اُن کے پاس آئیگا تو وہ ضرور اُس کو مان لیں گے۔ کہیئے کہ معجزے تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم لوگوں کو کیا خبر کہ معجزے آبھی جائیں، تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

ہٹ دھرم لوگوں کا کوئی علاج نہیں

اِتنے کچھ معجزات، دلائل، ہدایات کے آجانے کے بعد بھی اُن کا نہ ماننا اور یہ کہنا کہ معجزہ آئے تو ہم ایمان لائیں، دھاندلی (ہٹ دھرمی) کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی لیے فرمایا: کہیے کہ نشانیاں اور معجزے تو بس اللہ کے پاس ہیں" یعنی ایسے معجزے صبح و شام دکھاتے رہنا میرے بس کی بات نہیں۔ (فصل الخطاب)

نشانی سے مراد ہمیشہ کوئی ایسا واضح معجزہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور آپؐ پر خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے نبی ہونے کو مان لینے کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ رہے۔

آیت کا اصل خطاب مسلمانوں سے ہے کہ جو بیتاب ہو ہو کر یہ تمنا کرتے رہتے تھے کہ خدا کرے کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جائے کہ یہ گمراہ لوگ کسی طرح سیدھے ہو جائیں۔ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آخر تمھیں کس طرح سمجھایا جائے کہ ان لوگوں کا ایمان لانا کسی نشانی پر موقوف نہیں۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (۱۱۰) اور اسی طرح ہم اُن کے دلوں اور
كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ
وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۱۱۰ پہلی مرتبہ اُس پر ایمان نہیں لائے ۱۳ ع ۱۰ ۱۹
تھے، اور اُنھیں چھوڑ دیں گے اُن کی سرکشی میں، تاکہ پھر وہ اندھے بنے پھرتے ہی رہیں گے

حق ناشناسی پر جمے رہے

کیونکہ اُنھوں نے حق کی تلاش اپنے اندر پیدا ہی نہیں کی، اِس لیے وہ بھٹکے رہے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ اگرچہ اُن میں حق طلبی کی صلاحیت موجود تھی مگر اُنھوں نے اس صلاحیت سے قطعاً کوئی کام لینا گوارا نہ کیا۔ اِسی لیے اُنھوں نے اپنی آنکھوں، کانوں، دلوں اور دماغوں کو حق طلبی کے تقاضوں سے ہٹائے رکھا۔ خدا نے شاید جمع کا صیغہ اِس لیے استعمال فرمایا ہے کہ یہ اشارہ ہے سلسلۂ علل و اسباب کی بے شمار کڑیوں کی طرف۔

غرض اُنھوں نے اپنی گمراہی کے اسباب خود مرتب کیے۔ حق سے خود دل و نگاہ کو پھیرے رکھا۔ حقائق کی طرف توجہ ہی نہ دی، بلکہ حقائق کی طرف سے لاپرواہی اور بے التفاتی برتی۔ عقل کو استعمال کرنے کے بجائے اُس کو تمسخر کے لیے استعمال کرتے رہے۔ ناحق معجزے طلب کرتے رہے۔ کیونکہ وہ خود ارادتاً حق سے پھرے رہے، اِس لیے خدا نے بھی اُن کو حق سے پھرا ہوا چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ خدا کا کسی کو گمراہی میں چھوڑ دینا خود اُس کے اپنے طرزِ عمل پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انسان اپنے طرزِ فکر و عمل میں خود مختار ہے مجبور نہیں۔

www.drhasanrizvi.org

غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ اِن منکرینِ حق کے اندر اب بھی وہی ذہنیت کام کر رہی ہے جس کی بنیاد پر اُنھوں نے پہلی مرتبہ سُنتے ہی رسولِ اکرمؐ کے پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی فکر میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آسکی ہے۔ (کتّے کی دُم ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہتی ہے) وہی عقل کا پھیر اور نظر کا بھینگا پن جو اُنھیں اُس وقت سوچنے سمجھنے اور حق کو قبول کرنے سے روک رہا تھا آج بھی اُن پر اُسی طرح مسلّط ہے۔ (تفہیم)

طلبِ حق کی اہمیّت :- کیونکہ کافروں نے تلاشِ حق کے جذبے سے کام ہی نہیں لیا اِس لیے یہ ہزار معجزے بھی دیکھ لیں، ہدایت نام کی چیز اُن کو میسّر نہ ہوگی۔ یہ لوگ یونہی بھٹکتے رہیں گے۔ اِن کی اِسی ضد کی وجہ سے اُن کے دل حق طلبی کی طرف سے ہٹا دیے جائیں گے۔ خدا کی طرف دلوں کو ہٹانے کی نسبت صرف اِس لیے ہے کہ خدا تمام تکوینی سلسلوں کا مسبّب الاسباب ہے۔ (مدارک) محققین نے **نتیجہ** نکالا کہ خوارقِ عادت اور معجزات کا طلب کرتے رہنا، طریقِ ہدایت نہیں، طریقِ ہدایت صرف اتّباعِ بیّنات ہے۔ (تھانوی)

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ✻ ساتواں پارہ ختم ہوا ✻ **رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَهُوَ حَسْبِيْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ✻

بتاریخ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ سنہ ہجری ۱۱ بجے شبِ ہفتہ / ۸ ستمبر ۱۹۹۵ء کو ساتویں پارے کی کتابت مکمل ہوئی۔

کاتبِ قرآن ——— سیّد محمّد جعفر زیدی ۳۶ بی لانڈھی
(فون ۵۰۴۰۸۶۹)